بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

رضاخانیت کے علامتی مسائل

از

سیّد طاہر حسین گیاوی

مہتمم دارالعلوم حسینیہ ڈنڈیلہ کلاں، رہلا، پلاموں
بہار

کتاب ملنے کے پتے

(۱)

دارالعلوم حسینیہ ڈنڈیلہ کلاں۔ رہلا۔ پلاموں۔ بہار

پن کوڈ ۸۲۲۱۲۴

(۲)

عالم بکڈپو۔ باری روڈ۔ گیا (بہار)

پن کوڈ۔ ۸۲۳۰۰۱

اشاریہ

کتبہ

شمس الحسن محلہ کوٹ ادری

۶۸۶

ازامجھرشریف　　　　　　　　　　　　　　　　　　　　　مورخہ ۱۸ رمضان المبارک ۱۴۰۹ھ

محترم المقام لائق صداحترام حضرت مولانا الحاج سید طاہر حسین گیاوی صاحب مدظلہ العالی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

گذارش خدمت یہ ہے کہ میں حافظ نگر امجھر شریف پوسٹ ہسپورہ ضلع اورنگ آباد (بہار) کا رہنے والا ہوں مجھے لوگ حافظ ولی محمد عرف امان اللہ میاں امجھری کہتے ہیں ۔ میں نے حفظ کلام اللہ شریف مدرسہ اشرفیہ نرسنڈ میں کیا بعدہ دارالعلوم اشرفیہ مبارکپور ضلع اعظم گڈھ سے مولوی تک تعلیم حاصل کی ہے ۔ موضع امجھر شریف صوبہ بہار ضلع اورنگ آباد میں زمانۂ قدیم سے مشائخ علماء اور بزرگوں کی بہت معروف و مشہور جگہ ہے جس سے آپ بھی اچھی طرح واقف ہوں گے چند مسائل میرے ذہن میں تشویش کا باعث بنے ہوئے ہیں ان مسائل کو آپ سے دریافت کرنا کرنا چاہتا ہوں اور اس سلسلہ میں تفصیلی معلومات حاصل کرنا چاہتا ہوں تاکہ میرا ذہن بھی صاف ہو جائے اور دوسرے لوگوں کے سامنے ان مسائل کی اصل حقیقت بھی آجائے ۔ جواب تحریر کرتے وقت ان دو باتوں کو خاص طور پر ذہن میں رکھیں گے ۔

(۱) ہمارے یہاں امجھر شریف میں زمانہ قدیم سے آج تک نہ تو قبر پر اذان دیجاتی ہے نہ حی علی الصلوٰۃ پر نمازی کھڑے ہوتے ہیں نہ کسی نماز کے بعد کھڑے

ہو کر صلوٰۃ وسلام کا رواج ہے نہ جمعہ کے دن خطبہ کی اذان مسجد کے باہر ہوتی ہے بلکہ منبر کے قریب سامنے پہلی صف میں خطبہ کی اذان دی جاتی ہے لیکن اب بعض لوگ پرانے دستور کے خلاف ذہن بنانے کے خواہشمند ہیں اور جو ان چودہ صدی کے مولویوں کا ذہن قبول نہیں کرتے انھیں بدعقیدہ اور وہابی کہا جارہا ہے اس لئے سوال یہ ہے کہ ہمارے یہاں مشائخ و بزرگان دین جو ان رواجوں کے قائل نہ تھے اور نہ کبھی ان پر انھوں نے عمل کیا تو وہ تمام بزرگان دین اور علماء کرام جاہل مسائل سے ناواقف اور بدعقیدہ وہابی تھے۔

(۲) سوال میں درج مسائل کے سلسلہ میں جو کچھ تحریر کریں حدیث اور حنفی فقہ کی روشنی میں ہو اور دلائل سے مزین ہونا ضروری ہے تاکہ اہل علم اور سنجیدہ طبقے کیلئے قابل قبول اور اطمینان بخش ہو بہتر ہوگا کہ حوالے میں ان کتابوں سے کام لیا جاوے جو بریلوی دیوبندی اختلاف سے پہلے لکھی گئی ہوں اور کسی فریق کے عالم کی تصنیف نہ ہو دریافت طلب امور یہ ہیں:

(۱) میت کو دفن کرنے کے بعد قبر پر اذان دینا کیسا ہے؟

(۲) جمعہ کے دن خطبہ کی اذان کہاں سے دی جائے۔

(۳) نمازیوں کو اقامت کے وقت کب کھڑا ہونا چاہیئے۔

(۴) کسی خاص نماز کے بعد صلوٰۃ وسلام پڑھنا کیسا ہے۔

فقط والسلام۔

حافظ ولی محمد عرف امان اللہ انجہری
امام وخطیب مسجد اسٹیشن روڈ۔ ڈہری اون سون۔ ضلع رہتاس۔

باسمہ سبحانہ

مکرمی جناب حافظ صاحب زید مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا مکتوب موصول ہوا پڑھنے سے سوالات کا علم ہوا انجھر شریف ضلع اورنگ آباد (بہار) میں زمانۂ قدیم سے مشائخ اور بزرگوں کی جگہ ہے۔ وہاں کے بزرگان دین اہلسنت والجماعت میں ہیں ان کے متعلق بدگمانی اور بدزبانی بڑی محرومی اور بدنصیبی کی بات ہے وفات یافتہ بزرگوں اور اہل علم کا جو طریقہ آپ کے یہاں چلا آرہا ہے وہ درست ہے اور تمام اہلسنت کا وہی طریقہ ہے جن مسائل کا آپ نے سوال میں تذکرہ فرمایا ہے ان کے سلسلہ میں تمام اہلسنت بالخصوص حنفی مسلک کے بالکل خلاف رضاخانی فرقے کے مولویوں نے اپنی الگ رائے قائم کی ہے جس پر وہ نہ صرف بے جا سختی کرتے ہیں بلکہ جو ان کے طریقہ پر عمل نہ کرے اسکو گمراہ وہابی بدعقیدہ اور اسی قسم کے الفاظ سے نوازتے ہیں۔ ان مسائل کے سلسلہ میں جو کچھ تحریر کروں گا انشاء اللہ آپ کے مطلوب معیار کے مطابق لکھنے کی کوشش کروں گا فریقین کی کتابوں سے پہلے جو اہلسنت کی تصنیفات وجود میں آچکی تھیں ان سے اور حنفی علماء کی کتابوں کے حوالے سے کام لیا جائے گا البتہ تائید کیلئے کسی جگہ علمائے دیوبند کی کسی کتاب کا حوالہ آسکتا ہے تاکہ پڑھنے والا آسانی سے یہ سمجھ سکے کہ پہلے سے اہلسنت والجماعت کی کتابوں میں اور حنفی فقہ میں جو کچھ تحریر تھا علماء دیوبند بھی اسی کے قائل ہیں اگر اسکے خلاف نئی راہ نکالی ہے تو وہ رضاخانی علماء نے ہی نکالی ہے۔ والسلام

(سید طاہر حسین گیاوی)

قبر پر اذان دینے کا مسئلہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العٰلمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ جمیع الانبیاء والمرسلین خصوصًا علیٰ افضلہم وخاتمہم وعلیٰ اٰلہ واصحابہ واتباعہ اجمعین ط

اولادِ آدم میں شروع ہی سے دفن کرنے کا طریقہ اللہ تعالیٰ نے رکھا ہے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی کامل ومکمل شریعت میں دفن کرنے اور مردے کو قبر میں اتارنے بلکہ اس کے بعد پیش آنے والے تمام حالات اور ہر موقع سے متعلق ہر ہر عمل کی تفصیل بتائی گئی ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک سنت ہر جگہ ہماری رہنمائی کے لئے موجود ہے آپ کے بعد آپ کے جانثار صحابہ نے ان تمام باتوں پر پوری سختی کے ساتھ عمل کیا پھر چاروں اماموں نے اپنی اپنی فقہ میں ہر بات کو صاف صاف تحریر فرمایا ہے لیکن قبر پر اذان دینا کہیں بھی ثابت نہیں ہوتا ہے اگر یہ ثواب کی چیز تھی تو سب کے سب اسکو کیوں بھول جاتے اور اللہ کے یہ مقبول بندے چاروں سلسلے کے پیشوا شیخ عبدالقادر جیلانی خواجہ معین الدین چشتی شیخ شہاب الدین سہروردی خواجہ بہاء الدین نقشبندی علیہم الرحمۃ والرضوان اپنے اپنے زمانہ میں کبھی کسی مرید کی قبر پر ضرور اذان دلواتے یا کم از کم ان بزرگوں کے دفن کے بعد ان کے جانثار مرید ان کی قبر پر ضرور اذان دیتے

لیکن کسی نے قبر پر اذان نہیں دی یہ اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ قبر پر اذان دینا نہ ثواب کی کوئی چیز ہے نہ دین کا کوئی کام ہے چنانچہ فقہاء کرام نے قبر کی اذان کو بدعت اور ممنوع قرار دیا ہے دررالبحار[1] میں ہے۔

ومن البدع التی شاعت فی بلاد الهند الاذان علی القبر بعد الدفن۔

ان بدعتوں میں سے جو ہندوستان کے (بعض) علاقوں میں رائج ہو گئی ہیں دفن کے بعد قبر پر اذان دینا بھی ہے۔

علامہ قاسم نے بھی دررالبحار کی شرح میں قبر کی اذان کو غلط اور بدعت قبیحہ فرمایا ہے علامہ ابن عابدین شامی علیہ الرحمہ نے اپنی مشہور کتاب ردالمحتار عرف فتاوی شامی میں دو جگہ قبر کی اذان کے سلسلہ میں اظہار خیال فرمایا ہے اور اس اذان کو بدعت قرار دیتے ہوئے اس کے غلط ہونے کی تصریح کی ہے بلکہ جن شافعی فقہاء نے اس کو جائز بتایا تھا خود دوسرے شافعی علماء سے اس کی تردید اور غلط ہونے کی فقہ شافعی سے تائید بھی پیش فرما دی ہے چنانچہ شامی جلد اول کتاب الجنائز میں فرماتے ہیں۔

فی الاقتصار علی ما ذکر من الوارد اشارة علی انه لا یسن الاذان عند ادخال المیت فی قبره کما هو المعتاد الآن وقد صرح ابن حجر فی فتاواه بانه بدعة وقال من ظن انه سنة قیاسا علی ندبهما للمولود

صاحب درمختار نے میت کے صرف انہیں احکام کے تذکرے پر اکتفا فرمایا ہے جو احادیث سے ثابت ہیں اس سے یہ اشارہ نکلتا ہے کہ میت کو قبر میں اتارنے کے وقت اذان کہنا خلاف سنت ہے جیسا کہ آجکل عادت بنائی گئی ہے اور علامہ ابن حجر کی نے

---

[1] دررالبحار کے مصنف شیخ شمس الدین ابوعبداللہ محمد یوسف دمشقی متوفی ۷۷۰ھ ہیں اور شرح کے مصنف علامہ قاسم بن قطلوبغا تلمیذ ابن ہمام متوفی ۸۷۹ھ ہیں۔

الحاقاً لخاتمة الامر بالابتداء لم یصب ۔ (شامی ج ۱ ص ۶۶)

اپنے فتاویٰ میں صراحت سے لکھا ہے کہ یہ بدعت ہے اور جو لوگ اس کو اس بنا پر سنت کہتے ہیں کہ جب بچہ پیدا ہونے پر اذان و اقامت مندوب ہے تو مرنے کے وقت بھی ہوگی تاکہ انسان کا خاتمہ اسکی ابتدار کے موافق ہوجائے تو یہ لوگ غلطی پر ہیں ۔

اس جگہ علامہ شامی نے قبر کی اذان کو بدعت قرار دینے کے ساتھ یہ بھی بتایا کہ اذان دینے والے کا قیاس غلط ہے جس سے معلوم ہو گیا کہ یہ عمل ان کے نزدیک بدعت حسنہ یا مسنون نہیں ہے بلکہ ایک غلط عمل ہے بالکل یہی بات ان سے پہلے علامہ خیر الدین رملی رحمۃ اللہ علیہ نے بحر الرائق کے حاشیہ میں تحریر فرمائی ہے علامہ خیر الدین رملی صاحب در مختار کے استاد اور مشہور حنفی فقیہ ہیں جن کا انتقال ۱۰۸۱ھ میں ہوا ہے ۔

فتاویٰ شامی میں دوسری جگہ علامہ ابن عابدین تحریر فرماتے ہیں ۔

ورأیت فی کتب الشافعیة انه قد یسن الاذان لغیر الصلوٰۃ ۔۔ .... وقیل وعند انزال المیت القبر قیاسا علی اول خروجه من الدنیا لکن ردہ ابن حجر فی شرح العباب ص ۲۸۳

میں نے فقہ شافعی کی بعض کتابوں میں دیکھا ہے کہ نماز کے بغیر بھی اذان کو مسنون بتایا گیا ہے ...... قبر میں مردے کو رکھتے وقت بھی انسان کی ابتدائی دنیاوی ولادت پر قیاس کرتے ہوئے اذان کو مسنون بتایا گیا ہے لیکن علامہ ابن حجر مکی نے شرح عباب میں اس کی تردید فرمائی ہے ۔

شاہ محمد اسحاق صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں

الجواب ۔ اذان دادن بر قبر مکروہ است کہ معہود از سنت نیست (مأۃ مسائل ص۵۵)

دفن کے بعد قبر پر اذان دینا مکروہ ہے کیونکہ سنت سے اس کا ثبوت نہیں ہے۔

اسی طرح علامہ محمود بلخی اپنی کتاب توشیح حاشیہ تنقیح میں لکھتے ہیں۔

ما فی الاثر من الاذان علی القبور لیس بشئ ۔

جو قبر پر اذان کے سلسلہ میں باتیں نقل کی گئی ہیں انکی حقیقت کچھ بھی نہیں ہے۔

حنفی فقہاء میں سے صاحب درر البحار، علامہ قاسم، علامہ ابن عابدین شامی علامہ خیر الدین الدین رملی شاہ محمد اسحاق محدث دہلوی علیہم الرحمہ والرضوان پانچوں نے اس اذان کو ناجائز بدعت اور مکروہ بتایا ہے جیسا کہ ان کی تحریروں سے واضح ہے اور جن شافعی علماء نے اس کے جواز کا خیال ظاہر فرمایا تھا انکے خیال کی پرزور تردید خود شافعی علماء میں علامہ ابن حجر مکی نے اپنی دو دو کتاب میں پوری صراحت سے کردی ہے ان سب کے علاوہ جتنی چیزیں قبر کی اذان کے سلسلہ میں نقل کیجاتی ہیں اور اس کے جائز قرار دینے والے جو کچھ باتیں بناتے ہیں ان سب کا بے حقیقت ہونا علامہ محمود بلخی نے واضح کر دیا ہے ایک بات یہ بھی غور کرنے کی ہے کہ دفن کے بعد اذان کا کوئی تک بھی نہیں ہے یہ موقع اذان کیلئے بالکل بے جوڑ اور غیر مناسب ہے اگر ظاہری طور پر کوئی جوڑ بھی ہو سکتا تھا تو نماز جنازہ سے پہلے اس کے لئے مناسب موقع عقل میں آنے والی ایک بات ہو سکتی تھی اگر چہ وہ بھی اپنی جگہ غلط ہے اس لئے کہ فقہاے احناف نے صاف

صاف تحریر فرمایا ہے۔

فلا اذان ولا اقامۃ فی صلوٰۃ الجنازۃ (بدائع الصنائع ج۱ ص۱۵۲) — نماز جنازہ میں نہ اذان جائز ہے نہ اقامت۔

معلوم ہوا کہ نماز جنازہ جو ظاہری طور پر اذان کی ایک مناسب جگہ تھی، وہاں اذان کیلئے ثابت نہ ہونے کی وجہ سے گنجائش نہیں ہے تو بالکل بے تکی اور غیر مناسب جگہ قبر پر اذان کا جواز کیونکر ہو سکتا ہے اب تک حوالے میں جو کتابیں درج کی گئی ہیں وہ دیوبندی بریلوی اختلاف کے ظاہر ہونے سے پہلے کے مستند اور معروف حنفی علماء کی تحریر کردہ ہیں اب ان سب کے بعد فتاوٰی رحیمیہ سے ایک مفصل فتویٰ بھی نقل کر دیتا ہوں تاکہ معلوم ہو جائے کہ علماء دیوبند نے پہلے کے اہل سنت حنفی علماء کی تحریروں کے خلاف کوئی بات نہیں لکھی ہے بلکہ وہ بھی انھیں کی تائید میں ہیں نئی بات دین میں جاری کرنے والے رضا خانی علماء ہیں جنھوں نے تمام حنفی اور اہل سنت علماء کے بالکل خلاف محض اپنے ذہن و دماغ سے ایک مذموم بدعت اور نئی بات نکالی ہے اور اس کے لئے غلط فلسفے گڑھ کر اسکو رواج دینے کیلئے بے جا سختی سے زور لگا رہے ہیں فتاوٰی رحیمیہ میں درج ذیل سوال اور اس کا جواب موجود ہے۔

سوال۔ تدفین کے بعد قبر پر اذان پڑھنا کیسا ہے؟ بدعتی علماء کے فتوے سے ہمارے بدعتی حضرات نے یہ نیا رواج جاری کیا ہے امید ہے کہ آپ بتفصیل جواب دیں گے ان کا عقیدہ ہے کہ اذان سے میت شیطانی شرارت سے محفوظ رہتی ہے۔

جواب ۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے میت کی مغفرت اور عذاب قبر اور شیطانی شرارت سے حفاظت کیلئے نماز جنازہ اور میت کو قبر میں رکھتے وقت بسم اللہ وعلیٰ ملۃ رسول اللہ پڑھنے اور مٹی ڈالتے وقت تین مٹھی مٹی ڈالنے کی اور پہلی بار منها خلقناکم دوسری بار وفیها نعیدکم تیسری بار ومنها نخرجکم تارۃ اخری پڑھنے کی ہمیں ہدایت فرمائی ہے اور دفنانے کے بعد سر ہانے سورہ بقرہ کی ابتدائی آیتیں اور پائین کی طرف سورہ بقرہ کی آخری آیتیں پڑھ کر دیر تک قرآن شریف وغیرہ پڑھنے اور بارگاہ خداوندی میں نہایت عجز وانکساری کے ساتھ میت کیلئے دعائے مغفرت کرنے کا ثبوت ملتا ہے (مشکوٰۃ شریف ص ۱۴۹) (کتاب الاذکار امام نووی ص ۱۱) اگر اس وقت اذان کی ضرورت ہوتی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ضرور حکم فرماتے اور جانثار صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ضرور عمل پیرا ہوتے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک زمانہ میں اور آپ کی وفات کے بعد خلفائے راشدین صدیق اکبرؓ فاروق اعظمؓ عثمان ذی النورینؓ علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہم کے نورانی دور میں ہزار ہا صحابہ وتابعین وفات پاگئے مگر کسی قبر پر اذان نہیں دی گئی صحابہ کرام کے بعد بزرگان تابعین و تبع تابعین ائمہ مجتہدین امام اعظم ابو حنیفہ امام شافعی، امام مالک، امام احمد بن حنبل اور ان کے بعد بزرگان امام بخاری . امام مسلم، امام ترمذی اور امام ابو داؤد وغیرہ کسی نے بھی اس پر عمل نہیں کیا مسنون طریقہ پر عمل کرنے میں ہماری نجات ہے اور اس کی خلاف ورزی گمراہی کا باعث ہے ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کے

تہتر فرقے بیان فرما کر ارشاد فرمایا کہ ان میں ایک ہی فرقہ نجات پانیوالا ہے صحابہ کرام نے پوچھا۔ من ھی یا رسول اللہ (نجات پانے والا فرقہ کون ہے) آپ نے ارشاد فرمایا۔ ما انا علیہ واصحابی جس طریقہ پر میں اور میرے اصحاب عمل پیرا ہیں (مشکوۃ ص ۳۰)

دیکھئے آپ نے اصلاح امت اور اس کی ہدایت کیلئے راہ عمل متعین فرما دی کہ میرے اور میرے اصحاب کے طریقہ پر عمل پیرا ہونے پر نجات موقوف ہے حدیث شریف میں ہے کہ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نہایت عجیب وغریب اور بہت ہی موثر انداز میں کچھ کلمات ارشاد فرمائے جن سے حاضرین کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے اور دل لرز اٹھے ایک صحابی نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ ارشادات تو ایسے ہیں جیسے رخصت کرتے وقت کوئی ضروری نصیحتیں کیا کرتا ہے ہمیں کچھ اور نصیحتیں بھی فرما دیجئے آپ نے کچھ اور نصیحتیں ارشاد فرمائیں ان میں اہم ترین نصیحت یہ تھی کہ آپ نے فرمایا میرے بعد جو زندہ رہے گا وہ بہت اختلافات دیکھے گا تو ایسی حالت میں تم پر لازم اور ضروری ہے کہ اس طریقہ پر مضبوطی سے جمے رہو جو میرا اور میرے بعد ان خلفاے راشدین کا طریقہ ہے جو من جانب اللہ ہدایت یافتہ ہیں (ابوبکر وعمر وعثمان وعلی رضی اللہ عنہم) اس طریقہ کو مضبوطی سے سنبھال لو اور دانتوں اور کونچلیوں سے پکڑ لو اور جو نئی باتیں ایجاد ہوں ان سے پوری طرح پرہیز کرو کیونکہ دین میں ہر نئی بات بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے (مشکوۃ شریف)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا ارشاد ہے اتبعوا اثرنا ولا تبتدعوا فقد کفیتم ہمارے نقش قدم پر چلو اور بدعات ایجاد نہ کرو تمہارے لئے ہماری اتباع کافی ہے (الاعتصام ج ۱ ص ۹۱ کنز العمال ج ۱ ص ۵۶) اور حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں

کل عبادۃ لم یتعبدھا اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فلا تعبدوھا۔ ترجمہ۔ ہر ایسی عبادت جس کو صحابہ کرامؓ نے نہ کیا ہو تم بھی نہ کرو۔ (الاعتصام جلد ۲ ص ۳۱۰)

حدیث میں ہے حضرت ابن مسعودؓ کو خبر پہونچی کہ کچھ لوگ مغرب بعد اکٹھے بیٹھتے ہیں ان میں سے ایک شخص کہتا ہے کہ اتنی بار سبحان اللہ اور اتنی بار الحمد للہ اور اللہ اکبر اور لا الٰہ الا اللہ پڑھو حاضرین اسی طرح پڑھتے ہیں حضرت ابن مسعودؓ ان کے پاس تشریف لے گئے ان کا یہ طریقہ دیکھا کھڑے ہو کر کہنے لگے قسم ہے اس خدا کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں بے شک تم سخت تاریک بدعت میں مبتلا ہو ورنہ یہ کہو کہ تمہارا علم صحابہ کرام کے علم سے بڑھا ہوا ہے (کہ تم وہ کر رہے ہو جس کی صحابہ کرام کو خبر بھی نہیں تھی) پھر ان کو مسجد سے نکال دیا (الاعتصام ج ۲ ص ۱۶۵ مجالس الابرار ۱۸ ص ۱۲۵)

حضرت امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ جس نے دین میں نئی بات ایجاد کی اور اس کو کار خیر سمجھا تو اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو احکام خداوندی کی تبلیغ میں خائن اور کمی کرنے والا ٹھہرایا چونکہ ارشاد خداوندی ہے۔ الیوم اکملت لکم دینکم آج میں نے تمہارے لئے تمہارے دین کو

مکمل کر دیا۔ لہذا جو کام آپ کے مبارک زمانہ میں دین میں شامل نہ تھا وہ آج بھی دین میں شامل نہیں ہو سکتا ہے (الاعتصام ج ۱ ص ۴۸) اسی لئے نماز عید اور خطبہ کے وقت اذان[1] اور جماعت کے وقت اقامت نہیں پڑھی جاتی کہ آپ کے مبارک دور میں دین میں نہیں تھی اسی طرح قبر پر اذان دینا بھی دین میں شامل نہیں قطعًا بدعت ہے کیونکہ سنت سے ثابت نہیں۔

(فتح القدیر ج ۲ ص ۱۰۲ البحر الرائق ج ۲ ص ۱۹۶ فتاویٰ عالمگیری ج ۱ ص ۱۶۶)

علامہ شامی نے اذان علی القبر کو خلاف سنت اور بدعت فرمایا ہے لا یسن الاذان عند ادخال المیت اور تحریر فرماتے ہیں کہ قد صرح ابن حجر فی فتاوا لا بانہ بدعۃ ترجمہ ابن حجر نے اپنے فتاویٰ میں تصریح کی ہے کہ بدعت ہے (شامی ج ۱ ص ۸۳۷) واللہ تعالیٰ اعلم

(فتاویٰ رحیمیہ جلد اول ص ۳۶۵ تا ۳۶۷)

قبر پر اذان دینے کا فلسفہ اور اسکی حقیقت

مولوی احمد رضا خان صاحب بریلوی نے ایک رسالہ

---

[1] یعنی عید کی نماز کیلئے نہ اذان دیجاتی ہے نہ اقامت پڑھی جاتی ہے اسی طرح خطبہ کے وقت بھی اذان نہیں دیجاتی ہے چنانچہ امام غرناطی فرماتے ہیں ومن ذلك الاذان والاقامة فی العیدین فقد نقل ابن عبد البر اتفاق العلماء علی ان لا اذان ولا اقامۃ فیھما (الاعتصام ج ۲ ص ۱۴) ترجمہ اسی قبیل سے عیدین میں اذان و اقامت کا معاملہ ہے علامہ ابن عبد البر نے اجماع نقل کیا ہے اس بات پر کہ عیدین میں نہ اذان جائز ہے نہ اقامت ۱۲ امر

اذان قبر کے جواز اور اس کی مصلحت اور فائدے کے سلسلہ میں تصنیف کیا ہے جس کا نام ایذان الاجر ہے۔ مختلف علماء نے اسی وقت اس رسالہ کا جواب لکھ کر اس کے تمام عقلی اور نقلی دلائل کی حقیقت واضح کر دی تھی اور اس کا بے وزن ہونا ظاہر کر دیا تھا چنانچہ مولانا منظور احمد نعمانی نے امعان النظر لکھ کر خانصاحب کی علمی حیثیت اور ان کی کج فہمی کو واضح کر دیا ہے، اسی طرح تحقیق الامر میں بھی خانصاحب کی خوب اچھی طرح خبر لی گئی ہے اور ان کے تمام منطقی اور مناظرانہ مغالطوں کے تار و پود بکھیر دیئے گئے ہیں۔ خانصاحب کی منطق کو سمجھنے کیلئے ان کا کلام ہم ان کے ملفوظ سے نقل کرتے ہیں کسی نے ان سے معلوم کیا۔

(عرض) وقت دفن اذان کیوں کہی جاتی ہے۔

(ارشاد) دفع شیطان کیلئے حدیث میں ہے اذان جب ہوتی ہے شیطان ۳۶ میل بھاگ جاتا ہے الفاظ حدیث کے یہ ہیں کہ روحا تک بھاگتا ہے اور روحار مدینہ طیبہ سے ۳۶ میل ہے اور وہ وقت ہوتا ہے دخل شیطان کا جس وقت منکر نکیر سوال کرتے ہیں من ربک تیرا رب کون ہے یہ لعین[1] دور سے اشارہ کرتا ہے

---

[1] شیطان کے وسوسہ اور قبر میں اشارہ کرنے کی بات خانصاحب نے اپنی طرف سے تحریر فرمائی ہے قرآن وحدیث اور فقہ حنفی کے ذخیرہ میں کہیں یہ ثابت نہیں کہ شیطان قبر میں داخل ہو کر وسوسہ اندازی کرتا ہے یا اپنی طرف اشارہ کرتا ہے اور حکیم ترمذی کے حوالہ سے جو کچھ انھوں نے نقل کیا ہے وہ موضوع اور بالکل من گھڑت ہے اہل علم کے نزدیک اس قسم کی روایت قابل قبول نہیں۔ ۱۲ر

اپنی طرف کو مجھ کو کہدے جب اذان ہوتی ہے بھاگ جاتا ہے وسوسہ نہیں ہوتا ہے پھر سوال کرتے ہیں ما دینک تیرا دین کیا ہے اس کے بعد سوال کرتے ہیں ما تقول فی ھذا الرجل ان کے بارے میں کیا کہتا ہے اب نہ معلوم کہ سرکار خود تشریف لاتے ہیں[1] یا روضہ مقدسہ سے پردہ اٹھا دیا جاتا ہے شریعت نے کچھ تفصیل نہ بتائی اور چونکہ امتحان کا وقت ہے اسلئے ھذا النبی[2] نہ کہیں گے ہذا الرجل کہیں گے۔

(الملفوظ حصہ چہارم ص ۲۷۱)

یہ بات اپنی جگہ درست ہے کہ مردے سے قبر میں فرشتے سوال کرتے ہیں۔

---

[1] خانصاحب نے تو اس جگہ اقرار کر لیا ہے کہ شریعت نے تفصیل نہیں بتائی ہے لیکن آجکل انکی جماعت کے بعض مولوی اسی روایت کو دلیل بنا کر یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ہر قبر میں حضور بذات خود تشریف لاتے ہیں حالانکہ یہ بات غلط ہے ملا علی قاری حنفی علامہ قسطلانی سے نقل فرماتے ہیں قیل یکشف للمیت حتی یری النبی صلی اللہ علیہ وسلم وھی بشری عظیمۃ للمومن ان صح ذلک ولا نعلم حدیثا صحیحا مرویا فی ذلک والقائل بہ انما استند لمجرد ان الاشارۃ لا تکون الا للحاضر ولکن یحتمل ان یکون الاشارۃ لما فی الذھن مجازا۔

(حاشیہ مشکوٰۃ ص ۲۴)

[2] ھذا النبی نہ کہیں گے یہ بات بھی خانصاحب کے غیر محقق ہونے کی دلیل ہے ورنہ تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ فرشتہ قبر میں من نبیک کہہ کر بھی سوال کرتا ہے چنانچہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں لفظ مصابیح این چنیں است اذا قیل لہ من ربک و ما دینک و من نبیک چوں گفتہ میشود و مزا ورا کیست پروردگار تو چیست دین تو وکیست پیغمبر تو (اشعۃ اللمعات ج ۱ ص ۱۲۴)

اور یہ بھی صحیح ہے کہ اذان کی آواز سے شیطان بھاگتا ہے لیکن قبر میں شیطان کا داخل ہو کر گڑ بڑ کرنا نہ کسی صحیح روایت سے ثابت ہے اور نہ عقلی طور پر درست ہے۔
اسلئے کہ انسان کو نیکی سے روکنے کیلئے شیطان کوشش کرتا ہے جب انسان کا انتقال ہو گیا تو اب اس کی زندگی کا وہ دور ہی ختم ہو گیا جس میں اس کے ذمہ شریعت کے احکام کی پابندی بھی اور نیکی کمانے کا اسکو موقع تھا موت کے بعد عملی زندگی اور تکلیفی حیات کا سلسلہ ختم ہو چکا ہے حدیث میں صاف بتایا گیا ہے اذا مات الانسان انقطع عنہ عملہ ترجمہ جب انسان کا انتقال ہو جاتا ہے تو اسکی عملی زندگی سلسلہ ہی ختم ہو جاتا ہے لہذا قبر میں شیطان کا موجود ہوتا ایک غیر معقول اور بالکل فضول بات ہے اور اگر تسلیم بھی کر لیا جائے کہ واقعی شیطان قبر میں داخل ہو جاتا ہے تو غور کرنے کی چیز ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ پھر تابعین ائمہ دین بلکہ چار سو سال تک یہ شیطان کہاں تھا اور کسی قبر میں کیوں نہیں گھس پاتا تھا کیا یہ شیطان ہی نیا پیدا ہو گیا ہے یا اس نے قبر میں گھسنے کی یہ نئی ادا ہی اب سیکھی ہے۔
دوسری بات یہ کہ اذان کی آواز سے شیطان بھاگتا ہے لیکن صرف اس اذان کی آواز سن کر بھاگتا ہے جو اذان نماز کیلئے دی جاتی ہے ہر اذان کی یہ خاصیت نہیں بتائی گئی ہے بلکہ حدیث میں صاف صاف نماز والی اذان ہی کیلئے یہ بتایا گیا ہے چنانچہ صراحت کے ساتھ موجود ہے۔

اذا اذن للصلوٰۃ ادبر الشیطان لہ ضراط (بخاری ج ۱ ص ۸۵) ترجمہ جب نماز کیلئے اذان دی جاتی ہے شیطان بھاگتا ہے اور اسکی ہوا خارج ہوتی ہے۔
اس روایت سے معلوم ہوا کہ ہر اذان سے شیطان نہیں بھاگتا ہے بلکہ یہ

خصوصیت صرف نماز کی اذان کے لیئے ہے اگر ہر اذان سننے پر الٹا بھاگ جائے اور ہر موقع پر شیطان بھگانے کیلئے آذان دینا کافی ہو اور شریعت میں اسکی اجازت دیدی جائے تو جہاں جہاں شیطان موجود ہو یا اس کے وسوسہ اندازی کا اندیشہ ہو اذان دینے کی چھوٹ مل جائے حالانکہ کوئی بے علم مسلمان اور معمولی عقل کا آدمی بھی اس کیلئے راضی نہ ہوگا غور فرمائیے کھانے پینے کے پہلے بسم اللہ پڑھنے کا حکم ہے اس لیئے کہ اگر بغیر بسم اللہ پڑھے کھانا یا پینا شروع کردے گا تو شیطان اس میں شریک ہوجاتا ہے خود خانصاحب کا ارشاد ہے:

بغیر بسم اللہ شیطان اس کھانے میں شریک ہوجاتا ہے رب العزت نے اس سے فرمایا تھا وشارکھم فی الاموال والاولاد مال واولاد میں ان کا شریک ہو جو بغیر بسم اللہ کھائے پیئے اس کے کھانے پینے میں شیطان شریک ہوجاتا ہے اور بغیر بسم اللہ عورت کے پاس جائے اس کی اولاد میں شیطان کا ساجھا ہوتا ہے حدیث میں ایسوں کو مغربین فرمایا جو انسان وشیطان کے مجموعی نطفے سے بنتے ہیں اگر کھانے کی ابتدا میں بھول جائے اور درمیان میں یاد آجائے فوراً بسم اللہ علی اولہ وآخرہ پڑھ لے[1] شیطان اسی وقت قے کر دیتا ہے اور بفضلہ میں بھوکا ہی مارتا ہوں یہاں تک کہ

---

[1] اس موقع پر خانصاحب کی منطق سے اذان پڑھنا چاہیئے یا کسی سے کھانے والا اذان دلا دے تاکہ شیطان بھاگ جائے لیکن شیطان بھگانے کیلئے رضا خانی ترکیب کی شریعت نے اجازت نہیں دی ہے۔

پان کھاتے وقت بسم اللہ اور جب چھالیہ منھ میں ڈالی تو بسم اللہ شریف ہاں حقہ پیتے وقت نہیں پڑھتا طحطاوی میں اس سے ممانعت لکھی ہے۔[1] وہ خبیث اگر اس میں شریک ہوتا ہو تو ضرور ہی پیاسا ہوگا کہ عمر بھر کا بھوکا پیاسا اس پر دھوئیں سے کلیجہ جلتا بھوک پیاس میں حقہ بہت برا معلوم ہوتا ہے پھر فرمایا شیطان ہر وقت تمہاری گھات میں ہے اس سے غافل کسی وقت نہ ہو۔[2] (الملفوظ دوم ص۱۹۶،۱۹۷)

خانصاحب کے بیان سے معلوم ہوا کہ کھانے پینے ہی میں نہیں بلکہ ہر وقت ہی شیطان ہر انسان کے ساتھ لگا ہوا ہے اب ان کی منطق سے اسکو بھگانے کے لیے اذان کی اجازت ہے اسی طرح پیشاب پاخانہ کی ضرورت پوری کرتے وقت یہ دعا حدیث میں بتائی گئی ہے۔

اللھم انی اعوذ بك من الخبث والخبائث اے اللہ مجھے اپنی حفاظت میں لیجئے ہر نر مادہ خبیث سے۔

---

[1] طحطاوی نے اسلئے بسم اللہ پڑھنے سے روکا ہے کہ انکے نزدیک دھواں پینا یعنی حقہ کا استعمال ہی منع ہے ناجائز کام بسم اللہ پڑھکر شروع کرنا منع ہے لیکن خانصاحب کا فتویٰ تو یہ ہے کہ حقہ پینا منع اور ناجائز نہیں ہے پھر طحطاوی کے قول پر خانصاحب کیلئے عمل کرنے کی کیا گنجائش رہ جاتی ہے۔

[2] جب ہر وقت اور ہر انسان کے ساتھ شیطان لگا ہوا ہے تو خانصاحب کی منطق سے شیطان بھگانے کیلئے ہر آدمی ہر وقت اذان دیتا رہے یا ہر آدمی کے ساتھ ایک موذن مقرر کردینا چاہئے تاکہ وہ شیطان بھگا کر مسلمان بھائی کی حفاظت اور مدد کرے۔ ۱۲ ر

بلکہ حدیث میں علت بھی بیان کردی گئی ہے کہ اس موقع پر یہ دعا کیوں پڑھنی چاہیئے۔ فرمایا گیا۔

فان ھذہ الحشوش محتضرۃ ۔ یہ گندی جگہیں شیاطین کے اڈے ہیں۔
(مشکوٰۃ وابوداؤد ج ۱ ص ۲)

لہذا ہر آدمی کو چاہیئے کہ جب بیت الخلاء جائے تو کسی کو تاکید کردے کہ وہ اذان شروع کردے تاکہ شیطان بھاگ جائے اسی طرح میاں بیوی کی ہمبستری کے وقت بھی شیطان موجود رہتا ہے جیسا کہ اس دعا کے الفاظ سے ظاہر ہے جو اس موقع پر پڑھنے کے لیئے وارد ہوئی ہے۔

اللھم جنبنا الشیطان وجنب الشیطان ما رزقتنا (بخاری ج ۲ ص ۹۴۵) اے اللہ ہم دونوں کو شیطان سے دور رکھ اور جو ہمیں اولاد ملے ان کو ان کو بھی شیطان سے محفوظ فرما دے۔

اس موقع پر بقول خانصاحب بریلوی نہ صرف شیطان موجود ہے بلکہ اگر بسم اللہ نہ پڑھ سکا ہے تو شیطان کی شرکت بھی ہمبستری میں ہو جائیگی اور مسلمان عورت پر ڈبل بوجھ پڑجائے گا بنابریں اسکی مدد کرنے کیلئے اور شیطان بھگانے کیلئے خانصاحب کا مجرب نسخہ عمل میں لانا نہایت ضروری ہو جاتا ہے اسلئے ہر رضاخانی کو چاہیئے کہ اپنے پیروں اور مولویوں اور ان کی گھر والیوں کی مدد و حفاظت کیلئے اس موقع پر ضرور اذان دیا کریں لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

مزید غور فرمایئے ہر بے نمازی شرابی جواڑی شیطان کے پھندے میں ہے

تمام سرکاری دفتروں اور آفسوں میں رشوت اور غلط کاری کا بازار گرم ہے یہ سب شیطانی اڈے ہیں لہذا ہر جگہ ہر وقت اذان چالو کر دیجئے نتیجہ خود ہی سامنے آ جائے گا ہمارے سمجھانے کی ضرورت نہ ہوگی تیسری بات یہ ہے کہ اگر مان ہی لیا جائے کہ ہر موقع پر شیطان بھگانے کیلئے اذان دینے کی اجازت ہے اور ہر اذان سے شیطان بھاگ ہی جاتا ہے تو حدیث میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ بھاگتے وقت شیطان بدحواسی میں گوز لگاتا ہوا یعنی ہوا خارج کرتا ہوا جاتا ہے پس اگر بالفرض قبر میں شیطان آ ہی گیا ہو اور اذان کے ذریعہ اسکو بھگایا جائے تو وہ اپنی عادت کے مطابق ریاح خارج کریگا جس سے فرشتے اور خود مردے پر کیا گذرے گی اور قبر میں کیسی خوشبو پھوٹے گی۔

لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم واقعی بدعت بھی کیسی بری بلا ہے کہ دین بھی اس کی نحوست سے جاتا ہے اور عقل بھی ماری جاتی ہے آخری بات یہ بھی یاد رکھنے کی ہے کہ ہر مسلمان کی قبر پر خانصاحب نے ایک ہی مرتبہ اذان دینے کی اجازت دی ہے لیکن خود اپنی قبر پر سات سات مرتبہ اذان دینے کی انھوں نے تاکیدی وصیت[1] کی تھی جیسا کہ وصایا شریف میں ان کی یہ وصیت موجود ہے۔ یہ بات حد درجہ غیر معقول اور بے ثبوت ہونے کے علاوہ یہ بھی سوچنے پر مجبور کرتی ہے کہ کیا خانصاحب خود بھی یقین رکھتے تھے کہ ہمارا شیطان بہت تگڑا اور مضبوط قسم کا ہے اور ہماری اس کی بہت دیرینہ دوستی ہے وہ ایک اذان سے نہیں بھاگ سکتا اسلئے سات سات بار اپنی قبر پر اذان دینے کی تاکیدی وصیت کر گئے قبر پر اذان دلانے والے معلوم نہیں

---

[1] وصیت ۹ اور سات بار بآواز بلند حامد رضا اذان کہیں وصایا شریف ص۱۲ ۱۲ر

اس بات پر کیوں غور نہیں کرتے کہ یہ ضرورت اور تمام فائدے جن کی وجہ سے آج قبر پر اذان دینے کو جاری کیا جارہا ہے کب سے اور کس کی سمجھ سے وجود میں آئے آخر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پھر آپ کے خلفاء ان کے بعد چاروں اماموں کا زمانہ آیا بلکہ اس کے بعد بھی کئی سو سال گذر گئے لیکن کسی صحابی امام اور ولی کے سمجھ میں یہ ضرورت اور فائدے کیوں نہیں آسکے اور سب کے سب کیوں اتنے اچھے اور نیک عمل کو بھول گئے اگر یہ تمام ضرورتیں اور فائدے اس وقت بھی موجود تھے اور اس کے باوجود بھی قبر پر اذان نہیں دیگئی تو واقعہ یہ ہے کہ یہ اذان نہ دینے کی ہی چیز تھی اور اگر دی گئی ہو تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر چار سو سال بعد کے زمانے تک پوری دنیائے اسلام میں کہیں ایک جگہ بھی قبر پر اذان دینے کا کوئی ثبوت پیش کر دے دیدہ باید۔

خطبہ کی اذان کا مسئلہ

جمعہ کے دن خطبہ کے وقت جو اذان ہوتی ہے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت سے ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے لیکر سیدنا ابو بکر و سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہما کے زمانہ تک جمعہ کے لئے باقاعدہ صرف یہی ایک اذان ہوتی تھی لیکن مدینہ کی آبادی بڑھ جانے کی وجہ سے پھیلی ہوئی آبادی سے لوگوں کا خطبہ کی اذان سن کر جمعہ پکڑنا دشوار ہو گیا اور نو عمر تابعین اور نو مسلموں کے بڑھ جانے کی وجہ سے اب خالص صحابہ کرام ہی مدینہ میں نہ تھے اور نہ ہی پہلے والی چستی لوگوں میں رہ گئی تھی کہ اذان سننے سے پہلے ہی مسجد میں آکر نماز کے انتظار میں بیٹھے رہیں اسلئے سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے ایک اذان پنجوقتہ نماز کی طرح جمعہ کی نماز کے لئے بھی اضافہ کر دی تاکہ اس اذان کو سنتے ہی لوگ جمعہ کی تیاری کر لیں اور خطبہ و نماز پکڑنے میں سہولت ہو جائے چونکہ اب جمعہ کیلئے باقاعدہ دو اذان ہو گئی اسلئے پہلے خطبہ کی اذان سے جو کام لیا جاتا تھا یعنی مسجد سے باہر کے لوگوں کو خطبہ اور نماز کی اطلاع دینا اور عام اعلان کرنا تھا وہ اب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی اضافہ کردہ پہلی اذان سے مقصد پورا ہونے لگا اسی لئے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے پہلی اذان مسجد کے باہر مقام زوراء سے دینے کا حکم فرمایا۔ اور خطبہ کی اذان منبر کے قریب خطیب کے سامنے دینے کو معمول بنایا۔

اس عمل سے بلا اختلاف تمام صحابہ نے خاموشی کے ساتھ اتفاق فرمایا اور کسی نے اختلاف نہیں کیا اسلئے باجماع صحابہ جس طرح ایک اذان کا اضافہ صحابہ کی سنت مانا گیا اسی طرح خطبہ کی اذان کا منبر کے قریب سے دینا بھی باتفاق صحابہ سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے زمانہ سے معمول و مسنون قرار پایا اور خطبہ کی اذان کا اس وقت سے مقصد صرف مسجد میں موجود اور حاضر لوگوں کو اطلاع کرنا رہ گیا تھا اس لئے اس اذان میں پہلی اذان کے مقابلہ میں آواز بھی پست کردی گئی جیسا کہ آج بھی یہی معمول ہے [1]

مذکورہ بالا بیان تفسیر السراج المنیر جلد چہارم ص ۲۸۴ پر علامہ ماوردی متوفی ۴۸۱ھ سے منقول ہے۔

نیز علامہ قرطبی متوفی ۶۷۱ھ نے اپنی تفسیر الجامع لاحکام القرآن جلد ۱۸ ص ۱۰۱ مطبوعہ دار التراث العلمی بیروت میں علامہ ابن عربی متوفی ۵۴۳ھ کے حوالہ سے نقل کیا ہے فرماتے ہیں۔

اما الاذان الاول فمحدث فعله عثمان بن عفان ؓ ليتاهب الناس لحضور الخطبة عند اتساع المدينة وكثرة اهلها وكان عمر امر ان يؤذن في السوق	پہلی اذان تو ایجاد ہے سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے اس کو جاری کیا ہے مدینہ کے وسیع ہوجانے اور آبادی کے بڑھ جانے کے سبب سے تاکہ لوگ خطبے کی حاضری کیلئے تیار ہوجائیں اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ

---

[1] دیکھئے سعایہ شرح شرح الوقایہ۔

قبل المسجد لیقوم الناس عن سوقهم فاذا اجتمعوا اذن فی المسجد فجعله عثمان اذانین فی المسجد -

مسجد کی اذان سے پہلے بازار میں آواز لگوا دیتے تھے تاکہ لوگ بازار سے اٹھ کر آجائیں تب مسجد میں اذان ہوتی تھی لیکن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مسجد کے اندر ہی دونوں آذان کو با قاعدہ جاری فرمادیا۔

جس اذان کا اضافہ سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا بخاری کے حوالہ سے آئے گا کہ وہ اذان مقام زورار جو مسجد کے باہر ہے وہاں سے دیجاتی تھی، مسجد کے اندر سے نہیں دیجاتی تھی البتہ خطبہ کی اذان اندرون مسجد سے ہوتی تھی۔

امام ابو حنیفہ علیہ الرحمہ کے قول سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ پہلی اذان منارہ سے اور دوسری خطبہ والی اذان منبر کے قریب سے ہونی چاہیئے چنانچہ امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ کاروبار بند کر کے پہلی مینارہ والی اذان کے بعد ہی مسجد کی تیاری میں لگ جانا چاہیئے ورنہ اگر شہر وسیع ہوگا اور دوسری منبر والی اذان کے بعد لوگ مسجد کی طرف چلیں گے تو خطبہ درسنت تو چھوٹ ہی جائے گی نماز جمعہ بھی چھوٹ سکتی ہے خصوصا اس صورت میں جبکہ شہر کے محلے دور دور واقع ہوں گے اور لمبے فاصلے سے آنا ہوگا۔

علامہ بدرالدین عینی حنفی تحریر فرماتے ہیں۔

وعن الحسن بن زیاد عن ابی حنیفۃ هو اذان المنارۃ لانه لو اشترط الاذان عند المنبر یفوته

حسن ابن زیاد امام ابو حنیفہ سے ناقل ہیں کہ کاروبار بند کرنے میں پہلی مینارہ والی اذان کا اعتبار ہوگا کیونکہ اگر

اداء السنة وسماع الخطبة ور بما يفوته اداء الجمعة اذا كان المصر بعيد الاطراف (بنایہ شرح الهدایہ جلد اول ص۱۰۱)

منبر والی اذان کی شرط لگائی جائے تو سنت کی ادائگی اور خطبہ کا سننا چھوٹ جائے گا بلکہ کبھی جمعہ بھی فوت ہو جائیگا جب کہ شہر کی آبادی دور دور ہوگی۔

اس عبارت میں امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے پہلی اذان کو اذان المنارۃ اور دوسری خطبہ والی اذان کو اذان عند المنبر فرمایا ہے جس سے واضح طریقہ پر معلوم ہوتا ہے اس وقت بھی خطبہ کی اذان منبر کے قریب سے ہی دیجاتی تھی چنانچہ علامہ عینی حنفی شرح ہدایہ میں تحریر فرماتے ہیں۔

م بذٰلک ش ای بالاذان بین یدی المنبر بعد الاذان علی المنارۃ م جری التوارث ش من زمن عثمان بن عفان رضی الیٰ یومنا هذا (عینی ج اول ص۱۰۱)

اسی طریقہ پر یعنی منبر کے قریب سامنے اذان دینے پر منارہ والی اذان کے بعد توارث جاری ہے یعنی حضرت عثمان رضی کے زمانے سے ہمارے زمانہ تک[1]

کتنی واضح صراحت کے ساتھ علامہ عینی فرما رہے ہیں کہ منارے والی اذان کے بعد دوسری خطبہ کی اذان منبر کے قریب سامنے سے دینے کا دستور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ سے ہمارے زمانہ تک معمول ہے اور عملی طور پر

---

[1] توارث کی مخالفت کو فقہ حنفی میں مکروہ بتایا گیا ہے ہدایہ میں ہے یکرہ هو لمخالفۃ التوارث ۱۲ر

جاری ہے اسی طرح علامہ شرنبلالی حنفی مراقی الفلاح میں فرماتے ہیں۔

والاذان بین یدیہ جری بہ التوارث کالاقامۃ بعد الخطبۃ (مراقی الفلاح ص۱۰۳)

خطبہ کے بعد اقامت کی طرح خطیب کے سامنے قریب سے خطبہ کی اذان دینے کا معمول چلا آ رہا ہے۔

اور امداد الفتاح میں ہے:

والاذان بین یدیہ کالاقامۃ سنۃ لہ

خطیب کے سامنے قریب سے اذان دینا اقامت کی طرح سنت ہے۔

ان عبارتوں میں دوسری خطبہ کی اذان کو اقامت کی مانند قرار دیا گیا ہے اس لئے کہ جس طرح اقامت مسجد کے اندر اور عموماً پہلی صف میں دی جاتی ہے اور کوئی اس کو مکروہ نہیں کہتا ہے اسی طرح خطبہ کی اذان بھی مسجد کے اندر خطیب کے سامنے پہلی صف کے قریب سے دی جاتی ہے اور سلف و خلف کا یہی معمول ہے جری بہ التوارث سے اسی بات کو بتانا مقصود ہے کہ اس اذان کا مقصد اور اقامت کا مقصد ایک ہی ہے دونوں کا مقصود حاضرین مسجد کو آگاہ اور متوجہ کرنا ہے اور جس طرح اقامت کا کہنا پہلی صف سے متوارث ہے اسی طرح اس اذان کا پہلی صف سے دینا حضرت عثمان کے زمانہ سے متوارث ہے۔ بخاری کی روایت ہے۔

کان النداء یوم الجمعۃ اولہ — آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما

از حبل اللہ المتین ص۳۵

اذا جلس الامام علی المنبر علی عهد النبی و ابی بکر و عمر فلما کان عثمان و کثر الناس زاد النداء الثالث علی الزوراء قال ابو عبد اللہ الزوراء موضع بالسوق بالمدینۃ
(بخاری جلد ۱ ص ۱۲۴)

کے زمانہ میں جمعہ کے دن جب امام منبر پر ہوتا تو پہلی اذان ہوتی تھی لیکن جب حضرت عثمان کا دور آیا اور لوگ زیادہ ہو گئے تو تیسری اذان انھوں نے مقام زوراء سے اضافہ کر دی امام بخاری کہتے ہیں کہ زوراء مدینہ کے بازار میں ایک جگہ ہے

خطبہ والی اذان اور اقامت یہ دونوں پہلے سے موجود تھیں حضرت عثمان رض نے تیسری اذان کا اضافہ فرمایا جسکو اس روایت میں تیسری بتایا گیا وہ اس لحاظ سے تیسری ہوئی کہ پہلے سے دو اذان یعنی خطبہ والی اذان اور اقامت تھی ہی اب یہ تیسری کا اضافہ ہوا ورنہ ترتیب کے لحاظ سے یہی اضافہ شدہ اذان سب سے پہلے دیجاتی ہے لہذا پہلی اذان کو ہی روایت میں تیسری کہا گیا ہے بہرصورت اس روایت میں یہ تصریح موجود ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جس اذان کا اضافہ فرمایا وہ مقام زوراء سے دیجاتی تھی لیکن یہ بات روایت میں نہیں بتائی گئی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے سے لیکر سیدنا ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے زمانہ تک خطبہ والی اذان کہاں سے دیجاتی تھی اگرچہ یہ بات پہلے گذر چکی ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے دور میں اس خطبہ والی اذان کو مسجد کے اندر خطیب کے سامنے قریب سے دلوایا لیکن دور عثمانی سے پہلے کہاں ہوتی تھی اس بات کا کوئی واضح اور مضبوط ثبوت نہیں ملتا ہے

بعض علماء کا خیال ہے کہ جہاں سے حضرت عثمان رضؓ نے دلایا اسی جگہ سے پہلے بھی دیجاتی تھی خطیب کے قریب سامنے ہی شروع سے اس اذان کی جگہ مقرر رہے چنانچہ شیخ الاسلام محمد تحریر فرماتے ہیں۔

وباقی داشت اذان زمان شریف را بطور خود پیش خطیب باجتہاد خود و موافقت عدم انکار (شرح بخاری شیخ الاسلام برحاشیہ تیسیر القاری مطبع علوی لکھنؤ جلد دوم ص ۲۳)	آنحضرت کے زمانے والی اذان کو اپنے طریقہ پر خطیب کے سامنے ہی باقی رکھا اپنے اجتہاد اور دیگر صحابہ کی خاموش موافقت کی وجہ سے۔

یہی بات حافظ ابن حجر عسقلانی بھی تحریر فرماتے ہیں۔

وتبین بما مضی ان عثمان احدثہ لاعلام الناس بدخول وقت الصلوٰۃ قیاسا علی بقیۃ الصلوات فالحق الجمعۃ بھا وابقی خصوصیتھا بالاذان بین یدی الخطیب (فتح الباری جلد چہارم ص ۲۹۴)	گذشتہ مباحث سے واضح ہو چکا ہے کہ حضرت عثمان رضؓ نے یہ اذان نماز کے وقت ہوجانے کی اطلاع دینے کیلئے جاری کی جمعہ کو بقیہ نمازوں پر قیاس کرتے ہوئے اسکو بھی انھیں نمازوں کے ساتھ کردیا لیکن جمعہ کی خصوصیت خطیب کے سامنے دیجانے والی اذان کے ذریعہ باقی رکھا۔

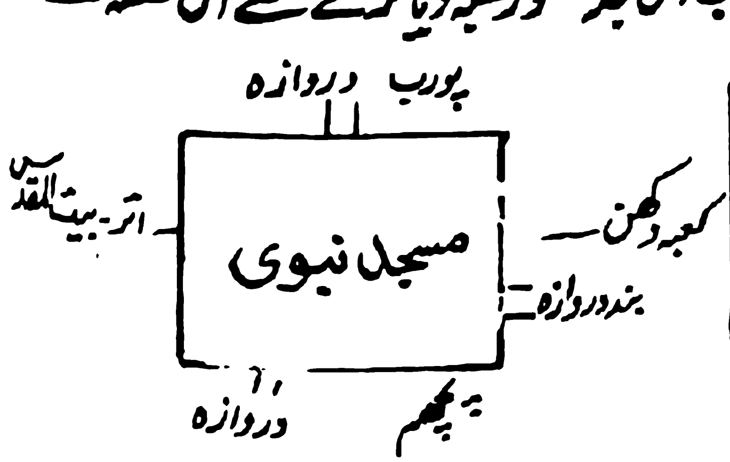
اکابر علماء اور محدثین کی اس وضاحت سے معلوم ہوا کہ خطبہ کی اذان زمانہ رسالت سے خطیب کے سامنے اور منبر کے قریب سے ہوتی ہے لیکن ابوداؤد کی ایک روایت کی وجہ سے بعض لوگوں کا خیال ہے کہ پہلے مسجد کے دروازے پر

یہ اذان دیجاتی تھی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے دور میں اسکو منبر کے قریب کر دیا لیکن رضا خانی علماء نے اس سے بھی آگے بڑھ کر ابو داؤد کی اس روایت کو حجت بنا کر مسجد کے باہر کر ڈالا اور مسجد کے اندر اذان دینے کو مکروہ بتانے لگے جو کسی طرح درست نہیں ہے اس کی تفصیل آگے تحریر کیجائیگی پہلے ابوداؤد کی اس روایت پر ایک نظر ڈال لیجائے۔

وکان یوذن بین یدی رسول	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے جب
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا	آپ جمعہ کے دن منبر پر تشریف فرما ہوتے
جلس علی المنبر یوم الجمعۃ	تھے مسجد کے دروازے کے قریب اذان
علی باب المسجد۔	دیجاتی تھی۔

علی باب المسجد یعنی مسجد کے دروازہ پر کے جملے سے رضا خانی علماء نے یہ دعویٰ کر دیا کہ مسجد کے اندر اذان دینا مکروہ تحریمی سنت کے خلاف ہے لیکن اہل علم پر مخفی نہیں کہ ان کا یہ استدلال بالکل غلط اور خلاف واقعہ ہے۔ اس مسئلہ میں خانصاحب بریلوی کے جملہ دلائل کی تفصیلی حقیقت سے جو حضرات واقفیت حاصل کرنا چاہتے ہیں ان کے لئے بہتر ہے کہ مولانا عبد الغفار خانصاحب رامپوری علیہ الرحمہ کی لاجواب تصنیف حبل اللہ المتین لاعدام اثار المبتدعین۔ اور مولانا معین الدین اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کی القول الاظہر اور حضرت مولانا خلیل احمد امبیٹھوی نور اللہ مرقدہ کی تنشیط الآذان کی طرف رجوع کریں لیکن اختصار کے ساتھ اس موقع پر ہم بھی ابوداؤد کی مذکور روایت سے خانصاحب کے غلط در غلط استدلال کو واضح کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔

۱۔ سب سے پہلے ناظرین اس چیز کو ذہن میں رکھیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے بعد مدینہ طیبہ تشریف لانے کے بعد بھی تقریباً سترہ اٹھارہ مہینے تک بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھی تھی اس کے بعد قبلہ تبدیل ہو گیا اور آپ نے بیت اللہ شریف کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنی شروع فرمائی مدینہ طیبہ سے کعبۃ اللہ اور مکہ مکرمہ دکھن کی جانب ہے اور بیت اللہ شریف سے مدینہ اتر کی جانب واقع ہے اس کے برخلاف بیت المقدس مدینہ سے اتر کی جانب واقع ہے جب شروع میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد نبوی کی تعمیر کی تھی تو اس وقت قبلہ یعنی بیت المقدس مسجد کی اتر والی دیوار کی جانب تھا اور مسجد میں کل تین دروازے تھے ایک دکھن والی دیوار میں اور ایک ایک پچھم اور پورب والی دیواروں میں لیکن قبلہ جب تبدیل ہو گیا اور اتر کی دیوار کے بجائے دکھن کی دیوار کی جانب قبلہ (بیت اللہ شریف) قرار پایا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دکھن کی دیوار والا دروازہ جو پہلے سے موجود تھا اسی جگہ منبر بچھا کر خطبہ دینا شروع فرمایا اور اس کے قریب ہی سامنے خطبہ کی اذان دی جاتی تھی اسی سابق دروازہ کو ابو داؤد کی مذکورہ بالا روایت میں باب مسجد راوی نے بتایا ہے جو دکھن والی دیوار میں پہلے تھا اور اب قبلہ تبدیل ہونے کے بعد اس کا استعمال بند ہو چکا تھا اب اس جگہ حضور خطبہ دیا کرتے تھے اس نقشہ سے اصل حقیقت بآسانی سمجھ میں آسکتی ہے۔



بیت المقدس یعنی قبلۂ اول منسوخ ہوجانے کے بعد خطبہ کے واسطے حضور صلی اللہ علیہ وسلم بند دروازہ کے قریب منبر رکھ کر تشریف فرما ہوتے تھے جسکو ابو داؤد کی روایت میں اذا جلس علی المنابر یوم الجمعۃ علی باب المسجد (جب حضور جمعہ کے دن منبر پر مسجد کے دروازہ پر تشریف رکھتے تھے) راوی نے بتایا گویا راوی نے حضور کے بیٹھنے کو دروازہ پر بتایا ہے نہ کہ اذان دینے کو لیکن خانصاحب نے بیٹھنے کے بجائے اسی روایت سے اذان دینے کو مسجد کے دروازے پر ثابت کرنا شروع کر دیا جو ان کی کم فہمی کی واضح دلیل ہے اسلئے کہ اگر علی باب المسجد کا تعلق اذان دینے سے ہوتا تو راوی یوں کہتا یوذن بین یدیہ علی باب المسجد (مسجد کے دروازہ پر اذان دیجاتی تھی) مگر راوی نے صاف صاف روایت میں اذا جلس علی المنبر علی باب المسجد (جب حضور منبر کے اوپر مسجد کے دروازہ کے پاس بیٹھتے تھے) مسجد نبوی کی مذکورہ بالا تفصیل علامہ سمہودی اور علامہ ذہبی وغیرہ نے تحریر فرمائی ہے جس کی روشنی میں ابو داؤد کی روایت کا خانصاحب کے مطلب کے بالکل مخالف ہونا اچھی طرح واضح ہوجاتا ہے [1] یہی وجہ ہے کہ ابو داؤد کی اس روایت کو حنفی

---

[1] وفاء الوفاء میں علامہ سمہودی لکھتے ہیں وجعل قبلتہ الی بیت المقدس وجعل لہ ثلثۃ ابواب باب فی مؤخرہ ای وھو فی جھۃ القبلۃ الیوم وباب عاتکۃ الذی یدعی بباب عاتکۃ ویقال لہ باب الرحمۃ والباب الذی کان یدخل منہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وباب عثمان الیوم اور علامہ ذہبی

بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر۔

فقہاء کرام نے بھی اپنی کتابوں میں نقل کیا ہے لیکن اس کے باوجود انھوں نے مسجد کے اندر خطیب کے سامنے منبر کے قریب ہی اذان دینے کو بتایا ہے جس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ روایت ان کے نزدیک اس معاملہ میں قابل عمل نہیں ہے جس طرح آمین بالجہر اور رفع یدین وغیرہ کی روایت ان کے نزدیک قابل عمل نہیں ہے۔

۴۔ پہلے بھی گذر چکا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے ہی خطبہ کی اذان منبر کے قریب سے دی جاتی تھی جیسا کہ متعدد علماء کرام اور فقہائے احناف کی تصریح سے واضح ہے۔

علامہ بدرالدین عینی حنفی بخاری کی شرح عمدۃ القاری میں تصریح فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے لیکر سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے زمانے تک خطبہ کی اذان منبر کے قریب خطیب کے سامنے ہوتی تھی۔

قلما کانت خلافۃ عمر...... جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا دور خلافت آیا۔

....

وامر ان یوذن بین یدیہ تو انھوں نے اپنے قریب سامنے اذان

فرماتے ہیں ھذہ القبلۃ کانت فی شمال المسجد لانہ صلی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سبعۃ عشر الی بیت المقدس فلما حولت القبلۃ بقی حائط القبلۃ الاولی بمکان اھل الصفۃ اور علامہ زرکشی اعلام المساجد میں لکھتے ہیں وجعل لہ ثلثۃ ابواب بابا فی موخرہ وبابا یقال لہ باب الرحمۃ والباب الذی یدخل منہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (حبل اللہ المتین لاعدام اثار المبتدعین ص۵)

كما كان يفعل المؤذن بين يدى	دینے کا حکم فرمایا جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
النبي صلى الله عليه وسلم وبين	اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے قریب
يدى ابى بكر رضى الله عنه۔	سامنے موذن اذان دیتا تھا۔

علامہ عینی حنفی کی اس وضاحت سے معلوم ہوا کہ خطبہ کی اذان حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے دور میں بھی خطیب کے قریب سامنے سے دی جاتی تھی دروازہ پر نہیں ہوتی تھی بلکہ مسجد کے اندرونی حصہ کے فرش پر دی جاتی تھی چنانچہ حافظ بن حجر عسقلانی علامہ داؤدی کا بیان نقل فرماتے ہیں۔

نقل الداودى ان الاذان اولا	داودی نے نقل کیا ہے کہ (دور عثمانی سے)
كان فى سفل المسجد (فتح الباری ص۲۹۳ ج۲)	پہلے اذان مسجد کے فرش سے ہوتی تھی۔

اور کنز الدقائق کی شرح نہر الفائق میں ہے۔

فان جلس الخطيب على المنبر اذن	جب خطیب منبر پر بیٹھ جائے تو اس کے
بين يديه اى الخطيب واقيم	سامنے قریب سے اذان دی جائے اور خطبہ کے
بعد تمام الخطبة بذلك جرى	مکمل ہوتے ہی اقامت کہی جائے اسی پر حضور اکرم
التوارث من فعله عليه الصلوٰة	صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل سے توارث
والسلام ؎	ہوتا آرہا ہے۔

اور شیخ وجیہ الدین گجراتی متوفی ۹۹۸ھ اپنے حاشیہ شرح وقایہ میں تحریر فرماتے ہیں۔

؎ حبل اللہ المتین سے منقول ہے۔

قوله اذن ثانيا بذلك جرى التوارث من لدن رسول الله صلى الله عليه وسلم الى هذا الزمان الاذان امام المنبر [١]

دوسری اذان منبر کے سامنے دی جائے اسی پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے اس دور تک توارث ہے۔

اور علامہ حمید الدین ضریری علیہ الرحمہ اپنی کتاب حمیدیہ حاشیہ ہدایہ میں رقمطراز ہیں:

واذا صعد الامام المنبر جلس واذن المؤذنون بين يدى المنبر بذلك جرى التوارث من لدن رسول الله صلى الله عليه وسلم الى يومنا والتوارث كالتواتر ولم يكن فى عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم والعمرين رضى الله عنهما الا هذا الاذان [٢]

جب امام منبر کے اوپر آجائے تو بیٹھ جائے اور موذن لوگ منبر کے قریب سامنے اذان دیں اور اسی پر توارث حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دور سے ہمارے زمانہ تک چلا آرہا ہے اور توارث تواتر کے برابر کی چیز ہے حضور اور ابو بکر و عمر کے زمانہ میں صرف یہی ایک اذان تھی۔

علامہ محمد بن احمد زاہد اپنی کتاب ترغیب الصلوٰۃ کے قلمی نسخہ میں ارشاد فرماتے ہیں۔

امام اعظم میگوید کہ در عہد رسول علیہ السلام وابوبکر وعمر منارہا نبود و بانگ نماز ہماں

امام اعظم ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ حضور اور ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کے زمانہ میں منارے

---

[١] [٢] مذکورہ بالا حوالے حبل اللہ المتین سے منقول ہیں۔

بپیش مقصورہ گفتندے اما در عہد امیرالمومنین عثمان رضی اللہ عنہ منارہا شد و بانگ کر رشد [1]

نہ تھے اور اذان وہیں مقصورہ کے سامنے کہی جاتی تھی لیکن حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں منارہ ہوا اور اذان بھی مکرر ہو گئی۔

۴ ۔ اگر حقیقت واقعہ کے بالکل خلاف ہم یہ بھی فرض کرلیں کہ حضور کے زمانہ میں یہ اذان مسجد کے دروازہ پر ہی ہوتی تھی تو چونکہ صرف یہی ایک اذان تھی اس کے پہلے والی اذان اس وقت نہیں تھی اس لئے مسجد کے باہر والوں کو خطبہ اور نماز کی اطلاع اسی اذان سے ہوتی تھی اور باہر دور تک آواز پہونچانے کیلئے مناسب یہی تھا کہ دروازے پر اذان دیجائے لیکن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جب ایک اذان اس کے پہلے بڑھادی تو اب یہ ضرورت پہلی اذان سے ہی پوری ہونے لگی اسلئے خطبہ والی اذان دروازے پر دینے کی قطعًا کوئی ضرورت باقی نہیں رہ گئی اسی لئے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے خطبہ والی اذان کو منبر کے قریب کر دیا پس حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے اس طریقہ کو چھوڑکر پہلے طریقہ کو جاری کرنے والے صرف ایک اذان پر اکتفا کرنا بھی کیوں ضروری نہیں سمجھتے۔ حضور کے زمانہ میں اذان بھی صرف ایک تھی آخر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عمل سے ایک اذان کا اضافہ قبول کرنے اور ان کے دوسرے عمل یعنی خطبہ والی اذان کو منبر کے قریب دینے سے انکار کی کیا وجہ ہے۔

ایک بڑی غلط فہمی کا ازالہ

میں نے ہر جگہ بین یدیہ کا ترجمہ سامنے قریب کیا ہے ممکن ہے کسی صاحب کو اس پر

---

[1] مذکورہ حوالہ حبل اللہ المتین سے ہے۔

یہ اشکال ہو کہ قریب کا مفہوم اس لفظ میں کہاں سے داخل ہو گیا اس کے معنی تو صرف سامنے ہے اس لئے ضروری ہے کہ اس کی بھی وضاحت کے ساتھ ذیل تحریر کر دی جائے کہ بین یدیہ کے لفظ میں قریب کا مفہوم بھی داخل ہے اور قرآن و حدیث میں قریب اور سامنے دونوں کے مجموعہ پر اس لفظ کا استعمال ہوا ہے اور لغت کی رو سے بھی اس لفظ کا یہی معنی ہے نیز احناف کی تصریح بھی یہی چاہتی ہے

(۱) قرآن میں ہے بین یدی اللہ ورسولہ علامہ نسفی حنفی تفسیر مدارک میں اس کے معنی تحریر فرماتے ہیں۔

ای بین الجھتین المساعتین یمینا وشمالا قریبًا منہ۔	یعنی داہنے اور بائیں کی بالکل مقابل دونوں جہتوں کے سامنے اس کے قریب

اسی طرح تفسیر السراج المنیر وغیرہ میں اس لفظ کی از روئے لغت یہ تحقیق موجود ہے۔

حقیقۃ قولھم جلست بین یدی فلان ای بجلس بین الجھتین المسامتین یمینہ وشمالہ قریبا منہ فسمیت الجھتان یدین لکونھما علی سمت الیدین مع القرب منھا۔	میں فلاں کے بین یدیہ بیٹھا اس قول کی حقیقت یہ ہے کہ وہ اس کے داہنے اور بائیں کی دو بالکل محاذی جہتوں کے درمیان اور اسکے قریب بیٹھا دونوں جہت کو دونوں ہاتھ اسلئے کہا گیا کہ دونوں جہتیں دونوں ہاتھ کے قریب اسی کی سمت میں واقع ہیں۔

(۲) مواہب لدنیہ کی روایت کنت نورا بین یدی ربی کی شرح کرتے ہوئے علامہ زرقانی فرماتے ہیں:

ای فی غایۃ القرب المعنوی منہ	یعنی میں معنوی لحاظ سے اپنے رب کے انتہائی

فاستعار لهذا الیدین لان من — قریب تھا پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی انتہائی قرب

قارب من الانسان وقابلہ یکون — کے معنی کو ادا کرنے کیلئے لفظ یدین استعمال فرمایا

بین یدیہ (المواھب مع الزرقانی ج۱۲ ص۵۰۰) — ہے کیونکہ جو آدمی کسی انسان کے قریب اور اسکے سامنے

(۳) بخاری شریف کی روایت ہے۔ ہوتا ہے وہ اسکے بین یدین ہوتا ہے۔

خرج علینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ — آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بعد زوال ہمارے

وسلم بالھاجرۃ فصلی — پاس باہر تشریف لائے اور آپ نے مقام

بالبطحاء الظھر والعصر رکعتین — بطحا میں ظہر اور عصر کی دو دو رکعت نماز

ونصب بین یدیہ عنزۃ۔ — پڑھائی درانحالیکہ آپکے سامنے نیزہ نصب تھا۔

مسئلہ ہے کہ نمازی اگر میدان میں نماز پڑھ رہا ہے تو اپنے سامنے (بین یدیہ) سترہ کے طور پر ایک لکڑی گاڑ دے یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے لیکن یہ سنت جب ہی ادا ہوگی کہ تین ہاتھ سے زیادہ فاصلہ نمازی اور سترہ کے درمیان نہ ہو اگر تین ہاتھ سے زیادہ دوری پر سترہ گاڑ دیگا تو خلاف سنت ہوگا۔

علامہ ابن عابدین شامیؒ فرماتے ہیں۔

السنۃ ان لا یزید ما بینہ و — سنت یہ ہے کہ نمازی اور سترہ کے درمیان

بینھا علی ثلاثۃ اذرع — تین ہاتھ سے زیادہ فاصلہ نہ ہو۔

اس وضاحت سے معلوم ہوا کہ فقہائے احناف کے نزدیک۔ بین یدیہ کے لفظ میں تین ہاتھ کا فاصلہ مراد ہوتا ہے اور یہی اس لفظ کا صحیح مفہوم ہے اسلئے منبر سے تین ہاتھ کے قریب پہلی صف میں خطبہ کی اذان دینے کا دستور ہے کیونکہ بین یدیہ کا مفہوم یہی ہے اسی لئے فقہائے کرام نے قریب اذان دینے کی تصریح کر دی ہے

علامہ حلبی فرماتے ہیں ۔

(۴) بین یدیہ ای قدامہ قریبا منہ [1]	خطیب کے سامنے یعنی اس کے آگے قریب سے اذان دی جائے ۔

(۵) علامہ قہستانی جامع الرموز میں فرماتے ہیں ۔

اذن اذانا ثانیا بین یدیہ ای بین الجہتین المسامتین لیمین المنبر او الامام و یسارہ قریبا منہ ۔	دوسری اذان اس کے سامنے یعنی خطیب یا منبر کے داہنی اور بائیں دونوں محاذی جہتوں کے درمیان قریب سے دی جائے ۔

فقہائے احناف کی یہ واضح تصریحات خطبہ کی اذان قریب سے دینے کی تاکید کرتی ہیں۔

ایک اور غلط فہمی کا ازالہ

خطبہ کی اذان کے مسئلہ میں بعض بزرگوں سے چوک یہ ہوئی کہ انھوں نے زیادہ تحقیق سے کام نہ لیا اور سادگی میں یہ سمجھ بیٹھے کہ ہشام بن عبد الملک نے خطبہ کی اذان کو اپنے دور میں منبر کے قریب کیا ہے ورنہ اس کے پہلے یہ اذان مسجد کے باہر دی جاتی تھی چنانچہ مولانا عبد الحی فرنگی محلی نے علامہ ابن الحاج مالکی کی مدخل سے نقل کیا ہے ۔

السنۃ فی اذان الجمعۃ اذا صعد الامام علی المنبر ان یکون	جمعہ کی اذان میں جب امام منبر پر آئے تو سنت یہ ہے کہ موذن منارہ پر اذان دے

---

[1] از حبل اللہ المتین لاعدام اشارۃ المبتدعین و شہادۃ الاماجد ص ۲۹ و ۳۰

المؤذن على المنار كذلك كان في
عهد النبي وابي بكر وعمر ثم زاد
عثمان اذانا آخر بالزوراء وابقى
الاذان الذي كان على عهد النبي
صلى الله عليه وسلم على المنار والخطيب
على المنبر اذ ذلك ثم انه لما تولى
هشام بن عبد الملك اخذ الاذان
الذي فعله عثمان وجعله على المنار
وكان المؤذن واحدا يؤذن بعد
الزوال ثم نقل الاذان الذي كان على
المنار حين صعد الامام على المنبر
على عهد النبي وابي بكر وعمر صدرا
من خلافة عثمان بين يديه وكانوا
يؤذنون ثلاثة فجعلهم يؤذنون
جماعة (عمدة الرعاية حاشيه
شرح الوقاية جلد اول ص ۱۹۳)

اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر
وعمر رضی اللہ عنہما کے دور میں ہوتا تھا
پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مقام زوراء
پر سے ایک اذان کا اضافہ فرمایا اور جو
حضور کے زمانہ زمانہ سے اذان تھی اسکو منارہ
پر باقی رکھا جب کہ اس وقت خطیب منبر
پر ہوتا ہے اس کے بعد ہشام بن عبدالملک
جب حاکم بنا تو اس نے حضرت عثمان والی
اذان کو منارہ پر کر دیا اور ایک موذن زوال
کے بعد اذان دیا کرتا تھا پھر اسکے بعد ہشام
نے اس اذان کو جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
کے دور سے لیکر ابوبکر و عمر اور ابتدائے
خلافت عثمانی تک امام کے منبر پر آنے
کے وقت منارہ پر ہوتی تھی اس کو منبر کے
قریب کر دیا اور تین آدمی اذان دیتے تھے
تو انکی ایک جماعت بنا ڈالی ۔

علامہ ابن الحاج مالکی کا یہ بیان کئی وجوہ سے غلط ہے اور تحقیق کے بالکل خلاف ہے۔

۱۔ علامہ عینی حنفی اور حافظ ابن حجر عسقلانی کے حوالے سے گذر چکا ہے کہ خطبہ کی اذان شروع سے مسجد کے اندر خطیب کے سامنے ہوتی تھی سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں

بھی یہی سلسلہ جاری رہا اس میں کوئی تبدیلی نہیں کی گئی تھی البتہ حضرت عثمان نے ایک اذان کا اضافہ فرمایا جو مقام زوراء سے دیجاتی تھی۔

۲۔ علامہ عینی حنفی کی بنایہ شرح ہدایہ کے حوالے سے ان کی یہ تصریح گذر چکی ہے کہ خطبہ کی اذان خطیب کے سامنے منبر کے قریب سے ہونا حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے زمانہ سے متوارث ہے اور اسی وقت سے یہ معمول چلا آرہا ہے لیکن علامہ ابن الحاج مالکی کا بیان بالکل اس کے خلاف ہے کہ حضرت عثمان کے زمانہ میں یہ اذان مینارہ پر ہی دی جاتی تھی ہشام بن عبد الملک نے اپنے دور میں مسجد کے اندر منبر کے قریب کر دیا۔ ظاہر ہے ابن الحاج کے مقابلہ میں علامہ عینی کا قول قابل ترجیح اور زیادہ درست ہوگا۔

(۳) علامہ ابن الحاج کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دور سے منارہ پر خطبہ کی اذان دیجاتی تھی حالانکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں مسجد نبوی پر منارے کا وجود ہی نہ تھا یہ ممکن ہے کہ کسی اونچی جگہ پر چھت سے اذان دیجاتی ہو اس کو مینارہ کہدیا گیا ہے۔

(۴) ہشام بن عبد الملک نے جس اذان کو منبر کے قریب لایا تھا وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ والی خطبہ کی اذان تھی ہی نہیں بلکہ یہ پہلی اذان تھی جسکو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے اضافہ فرمایا تھا اسلئے کہ ابن الحاج مالکی کے بالکل خلاف دوسرے محقق اور معتبر علماء کرام کی تصریح موجود ہے شیخ الاسلام محمد فرماتے ہیں۔

بعضے از محققین گفتہ اند کہ ہمیں اذان را کہ عثمان رضی اللہ عنہ بر زوراء امر کردہ بود

بعض محققین فرماتے ہیں کہ اسی اذان کو جس کا اضافہ مقام زوراء سے حضرت

ہشام بن عبد الملک آنرا بمسجد نقل کردہ (شرح بخاری شیخ الاسلام برحاشیہ تیسیر القاری جلد دوم ص ۲۲۲)	عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا ہشام بن عبد الملک نے مسجد کے اندر منتقل کردیا تھا۔

علامہ سمہودی علیہ الرحمہ تحریر فرماتے ہیں۔

وقال برھان بن فرحون قال ابن حبیب ثم نقل ھشام بن عبد الملک الاذان الذی کان بالزوراء الی المسجد فجعلہ واحدا یوذن عند الزوال علی المنار فاذا خرج ھشام اذن الموذنون کلھم بین یدیہ (وفاء الوفاء ج ۲ ص ۲۲۹)	برہان بن فرحون کہتے ہیں کہ ابن حبیب نے بتایا ہے کہ ہشام بن عبد الملک نے اس اذان کو جو مقام زوراء پر دیجاتی تھی مسجد میں منتقل کردیا۔ پہلے ایک اذان زوال کے بعد منارہ پر دیجاتی تھی پھر جب ہشام (خطبہ کیلئے) باہر آتا تو تمام موذن اسکے سامنے قریب سے اذان دیتے تھے۔

شیخ عبد الحق محدث دہلوی کے پوتے کے پوتے شیخ الاسلام محمد اور علامہ سمہودی ان دونوں اکابر اور محقق محدثین کی تصریح واضح کرتی ہے کہ ہشام بن عبد الملک نے حضرت عثمان رض والی اذان جو مقام زوراء سے دیجاتی تھی اسکو مسجد کے اندر مینارہ سے دلانا شروع کیا ہے باقی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ والی خطبہ کی اذان منبر کے قریب خطیب کے سامنے جس طرح ہوتی آرہی تھی اسکو اپنی جگہ ہشام نے بھی باقی رکھا ہے اسکو منتقل کرنے کی بات ہشام بن عبد الملک کے متعلق درست نہیں ہے لہذا علامہ ابن الحاج مالکی کا بیان صحیح نہیں ہے۔

غور طلب مسئلہ:- بعض لوگ خطبہ کی اذان منبر کے قریب دینے کو غلط

بتانے کیلئے یہ دلیل پیش فرماتے ہیں کہ حنفی فقہ کی کتابوں میں مسجد کے اندر اذان دینا مکروہ لکھا ہے اور اندرون مسجد اذان دینے سے روکا گیا ہے جیسا کہ بحرالرائق، فتح القدیر عالمگیری وغیرہ میں اسکی تصریح موجود ہے۔

مسجد کے اندر اذان مکروہ ہونے کے سلسلہ میں فقہ کی کتابوں کے حوالے کی حقیقت صرف اتنی ہے کہ بعض فقہائے کرام نے پنجوقتہ نماز کی اذان کیلئے کراہت کی تصریح کی ہے[1] جس کی علت اسکے سوا اور کچھ بھی نہیں کہ پانچ وقت کی اذان سے مقصد مسجد کے باہر والے لوگوں کو آگاہ کرنا ہوتا ہے اور ان لوگوں کو دعوت دینی مقصود ہوتی ہے جو مسجد کے باہر پھیلے ہوئے اپنے اپنے کاموں میں مصروف ہیں لہذا مسجد کی بند چہار دیواری میں اذان دینے سے آواز دور تک نہ پہونچ پائے گی اور اتنے بہتر طریقہ پر مقصد حاصل نہ ہوگا جتنا کہ منارہ یا کسی باہر کی کھلی جگہ سے اذان دینے میں یہ مقصد حاصل ہوگا اسلئے پانچوقتہ اذان مسجد کے اندر دینا بہتر نہیں ہے گویا پانچوقتہ اذان کو مسجد کے اندر مکروہ بتایا گیا ہے کسی نے خاص خطبہ والی اذان کے سلسلہ میں یہ بات نہیں لکھی ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ پانچوقتی اذان کا دینا بھی مسجد کے اندر تمام فقہاء احناف کے نزدیک مکروہ نہیں ہے بعض فقہاء اس کو ہرگز مکروہ نہیں بتاتے ہیں بلکہ ان کے نزدیک بلا کسی کراہت کے مسجد کے اندر اذان دینا جائز ہے چنانچہ علامہ قہستانی

---

[1] خطبہ کی ممبر والی اذان کو اس کراہت سے الگ اور مستثنیٰ کرنے کی وضاحت صلوٰۃ مسعودی میں موجود ہے اذان در مسجد مکروہ است مگر اذان بر منبر۔ منبر والی اذان کے علاوہ دوسری اذان مسجد میں مکروہ ہے دیکھئے
حبل اللہ المتین ص ١٧

جامع الرموز میں تحریر فرماتے ہیں۔

(۱) لا یوذن فی المسجد فانہ مکروہ کما فی النظم و فی الجلالی انہ یوذن فی المسجد او ما فی حکمہ لا فی البعید عنہ۔ (جامع الرموز)	مسجد میں اذان نہ دی جائے اسلئے کہ مکروہ ہے جیسا کہ نظم میں لکھا ہے اور جلالی میں لکھا ہے کہ مسجد کے اندر یا جو حصہ اسکے حکم میں ہے اذان دینا بلاکراہت جائز ہے البتہ مسجد سے دور نہ دینا چاہئے۔

جلالی کی تصریح سے پتہ چلتا ہے کہ بعض فقہائے کرام مسجد کے اندر اذان دینا بلاکراہت جائز مانتے ہیں۔

(۲) اسی طرح صاحب درمختار فرماتے ہیں:

صلی اخر صلوتہ قاعدا وھم قیام وابوبکر یبلغھم تکبیرہ وبہ علم جواز رفع المؤذنین اصواتھم فی جمعۃ وغیرھا۔	حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی آخری نماز بیٹھکر ادا فرمائی اور صحابہ کھڑے تھے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ آپکی تکبیر مقتدیوں تک (بحیثیت مکبر) پہنچاتے تھے اسی سے موذن لوگوں کے

اپنی آواز جمعہ وغیرہ میں بلند کرنے کا جائز ہونا معلوم ہوجاتا ہے۔

(۳) امام سرخسی علیہ الرحمہ مبسوط میں تحریر فرماتے ہیں۔

والمعتبر اول الاذان بعد زوال الشمس سواء کان علی المنبر او علی الزوراء۔	کاروبار بند کرنے میں اعتبار زوال کے بعد پہلی اذان کا ہے خواہ منبر پر دی جائے یا زوراء پر۔

اس سے معلوم ہوا کہ مسجد کے اندر منبر کے نزدیک سے پہلی اذان دینا جائز ہے پہلی اذان

جمعہ کی جب مسجد کے منبر سے جائز ہے تو مسجد کے اندر اذان دینا مکروہ کیونکر ہوا پھر غور کرنے کی بات ہے کہ مسجد کے اندر اذان دینا متعدد حدیثوں سے جب ثابت ہے تو اس کے بعد بھی اسکو مکروہ بتانے کی ضد پر قائم رہنا ہٹ دھرمی اور جہالت نہیں تو اور کیا ہے اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کا عمل بھی درست نہ تھا اور وہ بھی مکروہ طریقہ پر اذان دینے کے قائل تھے درج ذیل روایتوں سے مسجد کے اندر اذان دینے کا جواز بالکل واضح طریقہ پر ثابت ہوتا ہے، طلق بن علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ۔

۱- فخرجنا حتی قدمنا بلدنا ثم نضحنا مکانہا واتخذناہا مسجدا فنادینا فیہ بالاذان ۔ (نسائی جلد ۱ ص ۸۱)	پھر ہم بارگاہ نبوت سے چلے اپنے شہر میں داخل ہوئے اس کے بعد اس جگہ پر آپ کا عطا کردہ پانی چھڑکا اس کو مسجد بنایا اور اس مسجد میں اذان پکارا ۔

اس حدیث میں صحابی رسول حضرت طلق بن علی رضی اللہ عنہ کا مسجد کے اندر اذان دینا جس طرح مذکور ہے اسی طرح خاص مسجد نبوی میں بھی مسجد کے اندر اذان دینا ذیل کی اس روایت سے ثابت ہوتا ہے ۔

(۲) خرج رجل من المسجد بعد ما اذن فیہ فقال ابو ھریرۃ اما ھذا فقد عصی ابا القاسم صلی اللہ علیہ وسلم (رواہ مسلم مشکوٰۃ جلد اول صفحہ ۹۶، ترمذی جلد ۱ ص ۴۸)	ایک آدمی مسجد نبوی سے اس وقت نکلا جب کہ اس کے اندر اذان دی گئی تو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس شخص نے حضور کی نافرمانی کی (کہ اذان ہونے کے بعد مسجد سے نکل گیا)

ترمذی شریف میں ہے ۔

(۳) عن مجاهد قال دخلت مع عبد الله بن عمر مسجدا وقد اذن فيه ونحن نريد ان نصلي فيه فثوب المؤذن فخرج عبد الله بن عمر من المسجد وقال اخرج بنا من عند هذا المبتدع (ترمذی جلد اول ص۲۸ ابو داؤد جلد ا ص۸۶)

حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ ایک مسجد میں داخل ہوا جبکہ اس مسجد کے اندر اذان دی جا چکی تھی ہم چاہتے تھے کہ اس میں نماز پڑھیں لیکن موذن نے تثویب شروع کر دی پس حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ مسجد سے نکل آئے اور فرمایا اس بدعتی کے پاس سے ہمکو لے چلو۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ۔

(۴) وان من سنن الهدى الصلوٰة في المسجد الذي يوذن فيه ۔ (مسلم از مشکوٰۃ ج ا ص ۹۷)

یہ بات سنن ہدیٰ میں سے ہے کہ اس مسجد میں نماز پڑھی جائے جس کے اندر اذان دی گئی ہو ۔

ان چاروں واضح روایتوں میں مسجد کے اندر اذان دینے کا تذکرہ کس قدر صاف موجود ہے پس حدیث کی ان صراحتوں کے بعد بھی مسجد کے اندر اذان کو مکروہ بتانے کی ضد پر قائم رہنے والا کوئی بد نصیب ہی مسلمان ہو سکتا ہے۔ رہا فقہائے کرام کا معاملہ تو گذر چکا ہے کہ ان میں اختلاف ہے اور ان حدیثوں کی روشنی میں یہ فیصلہ کرنا مشکل نہیں ہے کہ جن فقہائے کرام کے نزدیک مسجد کے اندر اذان دینا بلا کراہت جائز ہے انھیں کا موقف درست ہے ۔

خطبہ کی اذان کے سلسلہ میں آخری بات یہ بھی عرض کر دینا ضروری سمجھتا ہوں

کہ نمازیوں کی گردن پھاندنا اور صفوں میں گھس کر پار ہونا کس قدر ایذا کا سبب ہے اور شریعت نے اس عمل کو کتنا ناگوار سمجھا ہے بتانے کی ضرورت نہیں سب کو معلوم ہے ایک حدیث میں گردن پھاندنے کو جہنم کے پل سے گذرنا کہا گیا ہے اب غور فرمائیے اگر خطبہ کی اذان مسجد کے باہر دی جائے گی تو اقامت کہنے کیلئے موذن پہلی صف میں آئے گا اور اس صورت میں بے وجہ گردن پھاند کر صفوں کے اندر گھسکر اس کو ایک گناہ کا ارتکاب بھی کرنا ہوگا اور لوگوں کی ایذا رسانی کا بھی سبب بنے گا حالانکہ یہاں کوئی شرعی مجبوری بھی نہیں ہے اس لئے کہ اذان اندر ہی دیدی جاتی تو گردن پھاندنے اور صفوں کو چیرنے کی ضرورت ہی نہ پیش آتی۔

اقامت کے وقت کھڑے ہونیکا مسئلہ

جس وقت اقامت کہی جارہی ہو امام اور مقتدی اس وقت کب کھڑے ہوں اس مسئلہ میں سب سے پہلے بحیثیت مسلمان ہمارا فرض ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل اس موقع پر کیا تھا معلوم کریں اسلئے حدیثوں میں آپکا عمل تلاش کرنا چاہیئے۔

(۱) عن ابی ھریرۃ یقول اقیمت الصلوٰۃ فقمنا فعدلنا الصفوف قبل ان یخرج الینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (مسلم ج ۱ ص ۲۲۰)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں اقامت کہی گئی تو ہم سب کھڑے ہوگئے اور صفیں درست کرلیں قبل اسکے کہ حضور (اپنے حجرے سے) باہر تشریف لاتے۔

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مسجد میں آنے سے پہلے ہی اقامت بھی ہوچکی تھی اور صحابہ صفیں بناکر کھڑے بھی ہوگئے تھے یہ اور اس قسم کی جتنی روایتیں پائی جاتی ہیں علماء اور محدثین فرماتے ہیں کہ یہ عمل پہلے ہوتا تھا۔ لیکن حضور نے اس طریقہ سے منع فرمایا اور آخری عمل جو ہمیشہ چلتا رہا وہ یہ تھا جو حضرت جابر کی روایت میں ہے۔

(۲) عن جابر بن سمرۃ قال کان بلال یؤذن ثم یمھل فاذا رای

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت بلال اذان دینے کے بعد

النبی صلی اللہ علیہ وسلم — رکے رہتے تھے جب حضور کو (حجرے)
قد خرج اقام الصلوٰۃ (ترمذی — باہر آتے ہوئے دیکھ لیتے تو نماز کی اقامت
ج ا ص ۲۸ ابو داؤد ج اول) — شروع کرتے تھے۔

یہ الفاظ ابوداؤد کے ہیں ترمذی کی روایت میں ہے اقام الصلوٰۃ حین یراہ حضور کو دیکھتے ہی اقامت شروع کر دیتے تھے اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضور کو آتا ہوا دیکھ کر حضرت بلال رضی اللہ عنہ اقامت شروع فرماتے تھے اس کی وجہ یہ تھی کہ خود حضور نے دیکھنے کے بعد کھڑے ہونے کی اجازت دی تھی اور اس کے پہلے کھڑے ہونے سے روک دیا تھا۔

(۳) قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا اقیمت الصلوٰۃ فلا تقوموا حتی تروني قد خرجت (متفق علیہ مشکوٰۃ ج ا ص ۶۷) — رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب نماز کیلئے اقامت کہی جائے تو جب تک مجھے باہر آتا ہوا نہ دیکھو تم کھڑے نہ ہوا کرو۔

علامہ زرقانی اس حدیث کی تشریح میں تحریر فرماتے ہیں۔

انہ نهی عن القیام قبل خروجہ وتسویغ لہ عند رؤیتہ وھو مطلق غیر مقید بشئ من الفاظ الاقامۃ (زرقانی شرح موطا امام مالک ج ا ص ۱۳۳) — بلاشبہ حضور نے اپنے حجرے سے باہر آنے سے پہلے کھڑے ہونے کو ممنوع قرار دیا اور دیکھتے ہی کھڑے ہو جانے کو جائز قرار دیا ہے لیکن یہ کھڑا ہونا اقامت کے کسی کلمہ سے مقید نہیں ہے بلکہ مطلق ہے۔

اس تشریح سے واضح ہو گیا کہ امام کے مسجد میں آنے سے پہلے کھڑا ہونا مکروہ ہے

یعنی امام کے سامنے آجانے کے بعد مکروہ نہیں ہے خواہ اقامت کہنے والا حی علی الفلاح پر پہونچا ہو یا نہیں اسلئے کہ حدیث میں کھڑے ہونے کی اجازت کو اقامت کے کسی کلمہ کے ساتھ مقید نہیں کیا گیا ہے چنانچہ علامہ بدرالدین عینی حنفی پہلے کھڑے ہونے کی ممانعت کی وجہ تحریر فرماتے ہیں۔

قال العلماء والنهي عن القيام قبل ان يروه لئلا يطول عليهم القيام لانه قد يعرض له عارض فيتاخر (عمدة القاری ج ۱ ص ۶۲۶)	علماء فرماتے ہیں حضور کے دیکھنے سے پہلے کھڑے ہونے کو اسلئے منع فرمایا کہ مقتدیوں کو زیادہ نہ کھڑا رہنا پڑے کیونکہ کبھی کوئی عذر پیش آسکتا ہے اور حجرے سے نکلنے میں تاخیر ہو سکتی ہے۔

ان تمام تشریحات کا حاصل یہ ہے کہ امام کے مسجد میں نماز پڑھانے کے ارادے سے آجانے کے بعد کھڑے ہو جانے کی اجازت ہے چنانچہ صحابہ کرام کا بھی معمول یہی تھا جیسا کہ اس روایت سے ظاہر ہے۔

(۴) ان الصلوٰۃ کانت تقام لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فیاخذ الناس مصافهم قبل ان يقوم النبی صلی اللہ علیہ وسلم مقامه (مسلم ج ۱ ص ۲۲۰)	نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی امامت کے لئے اقامت کہی جاتی تھی اور آپ کے اپنی جگہ کھڑے ہونے سے پہلے صحابہ کرام اپنی اپنی جگہوں پر صف میں کھڑے ہو جاتے تھے۔

اس حدیث پر غور کرنے سے یہ بات بالکل واضح طریقہ پر معلوم ہو جاتی ہے کہ صحابہ کرام حضور سے پہلے ہی صفوں میں اپنی اپنی جگہ کھڑے ہو جاتے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اقامت کی جگہ اپنے مقام پر صحابہ کے بعد کھڑے ہوتے تھے۔

اس لئے کہ صحابہ تو اقامت شروع ہوتے کھڑے ہوجاتے تھے اور آپ کو حجرے سے نکل کر اپنی امامت والی جگہ پر آنے میں کچھ تاخیر ہوجاتی تھی اسلئے آپ صحابہ کے بعد ہی کھڑے ہوتے تھے البتہ اقامت آپکو آتا ہوا دیکھنے کے بعد ہی شروع کیجاتی تھی مسلم شریف کی اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اقامت کے کسی خاص کلمہ کا انتظار نہ صحابہ کرتے تھے اور نہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی انتظار کرتے تھے جب کہ ایک مرسل روایت سے مزید وضاحت بھی اس کی ہوجاتی ہے۔

روى عبد الرزاق عن ابن جريج عن ابن شهاب ان الناس كانوا ساعة يقول المؤذن الله اكبر يقومون الى الصلوٰة فلا يأتي النبي صلى الله عليه وسلم حتى تعتدل الصفوف (فتح الباري ج ۲ ص ۵)

عبدالرزاق ابن جریج سے راوی ہیں اور وہ ابن شہاب سے نقل کرتے ہیں کہ صحابہ کرام جس وقت مؤذن اللہ اکبر کہتا تھا نماز کے لئے کھڑے ہوجاتے تھے اور حضور صفیں درست ہوجانے کے بعد تشریف لاتے تھے۔

ان تمام روایتوں سے یہ بات بالکل صاف طریقہ پر معلوم ہوجاتی ہے کہ حضور کی مسجد میں موجودگی کی صورت میں صحابہ شروع اقامت سے کھڑے ہوجاتے تھے جیسا کہ بخاری کی درج ذیل روایت بھی اس امر کا ثبوت فراہم کرتی ہے۔

(۱) عن انس قال اقيمت الصلوٰة والنبي صلى الله عليه وسلم يناجي رجلا في جانب المسجد فما قام الى الصلوٰة حتى نام القوم

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ اقامت کہی گئی اور حضور مسجد کے گوشے میں ایک آدمی سے گفتگو فرما رہے تھے (امامت کیلئے) اس وقت تک تشریف نہیں لائے جبکہ

(بخاری جلد اول صفحہ ۸۹) (بعض) صحابہ کو (کھڑے کھڑے) اونگھ آنے لگی۔

اس آخری حدیث سے معلوم ہوا کہ مسجد کے اندر جس وقت موجود ہوتے تھے مصلے پر بیٹھے حی علی الفلاح کا انتظار نہ کرتے تھے اقامت کے وقت امام کا مصلے پر بیٹھے بیٹھے انتظار کرنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل سے ثابت نہیں ہے بلکہ یہ طریقہ خلاف سنت ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب اقامت کے وقت مسجد میں موجود ہوتے تو آپ کا معمول یہ تھا کہ اپنے ہاتھ سے کھڑے ہو کر صفوں کو درست فرماتے تھے جیسا کہ مسلم کی صریح روایت سے واضح ہے :

(۱) عن ابی مسعود الانصاری قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یمسح مناکبنا فی الصلوٰۃ و یقول استووا (رواہ مسلم مشکوٰۃ ج ۱ صفحہ ۹۸)

حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے کاندھوں کو مس کرکے فرماتے تھے برابر کھڑے ہو۔

(۲) عن النعمان بن بشیر قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یسوی صفوفنا اذا قمنا الی الصلوٰۃ فاذا استوینا کبر۔ (مشکوٰۃ ج ۱ صفحہ ۹۸)

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب ہم لوگ نماز کیلئے کھڑے ہو جاتے تو ہماری صفوں کو درست فرمایا کرتے تھے جب ہماری صفیں درست ہو جاتی تھیں تب نماز شروع فرماتے تھے۔

(۳) وعن انس قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے داہنے مڑ کر

عن یمینہ اعتدلوا وسووا صفوفکم فرماتے تھے برابر ہو جاؤ اپنی صف درست
(رواہ ابوداود مشکوٰۃ ج ۱ ص ۹۸) کرلو پھر بائیں مڑکر یہی ارشاد فرماتے تھے

ان تمام روایات نے قطعی طور پر یہ فیصلہ کر دیا کہ نہ تو حضور حجرے سے باہر حی علی الفلاح[1] کہنے کے وقت آتے تھے اور نہ ہی مسجد میں موجود ہونے کے وقت حی علی الفلاح پر کھڑے ہوتے تھے اسلئے کہ اگر حی علی الفلاح پر کھڑے ہوتے تو اس کے بعد داہنے اور پھر بائیں مڑ کر کبھی ہاتھوں سے کبھی زبان سے صفوں کے درست کرنے کیلئے موقع ہی کہاں مل سکتا تھا چنانچہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی تحریر فرماتے ہیں۔

بود آنحضرت کہ برابر می کرد و درست میساخت صحابہ کرام کا بیان ہے کہ جب ہم نماز کے لئے

---

[1] اس سے معلوم ہو گیا کہ ہمارے بعض بزرگوں نے جو لکھا ہے کہ حجرے سے نکلکر حی علی الفلاح کے وقت ہی محراب میں حضورؐ کھڑے ہوتے تھے اس کا قطعاً کوئی ثبوت نہیں ہے یہ فقط احتمال کے درجہ کی بات ہے اور احتمال بھی ایسا جو روایت کی تصریحات کے بالکل خلاف ہونیکی وجہ سے مردود ہے۔ مظاہر حق یا اشعۃ اللمعات ج ۱ ص ۳۴۳ پر ہے کہ فقہا گفتہ اند مذہب آنست کہ نزد حی الصلوٰۃ باید برخاست وشاید کہ بیروں آمدن آنحضرت دریں وقت بود اسی طرح ملا علی قاری فرماتے ہیں ولعلہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یخرج عن الحجرۃ بعد شروع المؤذن فی الاقامۃ ویدخل فی المحراب عند قولہ حی علی الفلاح (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ) شاید اور لعل سے مسئلہ نہیں ثابت ہوتا ہے اس کے لئے کوئی مضبوط دلیل چاہیئے ۔

صفہائے مارا وقتیکہ می ایستادیم درنماز
بامرپا بدست چنانکہ گذشت
(اشعۃ اللمعات جلد اول صـــ)

کھڑے ہوجاتے تھے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں برابر کرتے اور صفوں کو درست فرماتے تھے کبھی زبان سے حکم فرماکر کبھی اپنے ہاتھ کے ذریعہ جیساکہ حدیث میں گذر چکا ہے۔

اب تک کے یہ تمام مباحث احادیث کی روشنی میں آپ کے سامنے پیش کئے گئے ہیں اب آئیے چاروں اماموں کی فقہ سے مسئلہ کو دیکھا جائے۔

۱۔ امام مالک خود اپنی کتاب موطا میں اپنا خیال ظاہر فرماتے ہیں۔

قال مالك قيام الناس حين تقام
الصلوٰة فانى لم اسمع فى ذٰلك بحد
يقام له الا انى ارى ذلك على قدر
طاقة الناس فان منهم الثقيل
والخفيف ولا يستطيعون ان يكونوا
كرجل واحد (موطا امام مالك)

حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اقامت شروع ہوتے وقت لوگوں کے کھڑے ہونے کے بارے میں کوئی مقرر حد میں نے نہیں سنی ہے لیکن میرا اپنا خیال ہے کہ یہ معاملہ لوگوں کی طاقت کے مطابق ہونا چاہیئے کیونکہ بعض لوگ بھاری بدن والے ہیں بعض ہلکے پھلکے سب ایک ہی طرح کے نہیں ہوتے ہیں۔

امام مالک کا مسلک قاضی عیاض مالکی اس طرح بیان فرماتے ہیں۔

ونقل القاضى عياض عن مالك
وعامة العلماء انه يستحب ان
يقوموا اذا اخذ المؤذن فى الاقامة
(نووى ج ۱ صـ ۳۲۱)

قاضی عیاض نے امام مالک اور عام علماء کرام کا مسلک یہ بتایا ہے کہ مستحب یہ ہے کہ لوگ اسی وقت کھڑے ہوجائیں جب موذن اقامت شروع کردے۔

٢ ۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک ۔

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ موذن جب اقامت مکمل کرلے تب ہی لوگوں کو کھڑا ہونا بہتر ہے اس کے پہلے کھڑا ہونا بہتر نہیں ۔

مذهب الشافعي وطائفة انه يستحب ان لا يقوم احد حتى يفرغ المؤذن من الاقامة ۔ (نووی جلد ۱ ص ۲۲۱)

امام شافعی اور ایک جماعت کا مذہب یہ ہے کہ اقامت سے فارغ ہونے تک کوئی کھڑا نہ ہو سب کیلئے مستحب یہ ہے کہ اقامت ختم ہونے پر کھڑے ہوں ۔

٣ ۔ امام احمد بن حنبل علیہ الرحمہ کا مسلک ۔

امام احمد بن حنبل کا مذہب یہ ہے کہ جب موذن قد قامت الصلوٰۃ پر پہونچے تب کھڑا ہونا بہتر ہے صحابہ کرام میں سے حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بھی یہی مذہب ہے[۱]

وکان انس يقوم اذا قال المؤذن قد قامت الصلوٰة وبه قال احمد (نووی ج ۱ ص ۲۲۱)

حضرت انس رضی اللہ عنہ موذن کے قد قامت الصلوٰۃ کہنے پر کھڑے ہوتے تھے امام احمد بھی اسی کے قائل ہیں ۔

٤ ۔ امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک

اس مسئلہ میں ہمارے امام اعظم ابو حنیفہ ہر صورت میں ایک ہی وقت کھڑے

---

[۱] حضور سے قد قامت الصلوٰۃ پر کھڑے ہونے کی ایک روایت مجمع الزوائد میں ہے لیکن حی علی الصلوٰۃ پر کھڑے ہونے کی کوئی روایت نہیں ہے ممکن ہے کبھی اتفاقی طور پر یا کسی مصلحت سے آپ قد قامت الصلوٰۃ پر کھڑے ہو گئے ہوں عام عادت یہ نہیں تھی ۔ ۱۲

ہونے کو مستحب نہیں بتاتے ہیں بلکہ آپ کے نزدیک مختلف حالتوں کے لئے الگ الگ مستحب اور بہتر وقت ہے اس لئے آپ اس مسئلہ میں کافی تفصیل کرتے ہیں قبل اس کے کہ وہ تفصیلات تحریر کروں ایک ضروری بات یہ ذہن نشین کرلینا چاہیے کہ چاروں اماموں کے درمیان یہ اختلاف بہتر اور مستحب صورت کے متعلق ہے جائز ہونے میں کوئی اختلاف نہیں ہے یعنی ہر صورت کھڑے ہونے کی چاروں اماموں کے نزدیک متفق علیہ اور مسلم امر ہے اسی طرح جملہ تفصیلات امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بھی صرف استحباب میں ہیں جائز ہونے میں کوئی تفصیل نہیں ہے بلا کسی تفصیل کے ہر صورت میں اقامت کے وقت کھڑا ہونا جائز ہے اس بات کو ذہن نشین کرنے کے بعد امام ابوحنیفہ کی تفصیل ملاحظہ فرمائیے۔

(۱) ان کان الامام فی المسجد[۱] فانہ یقوم الامام والموتم اذا قال حی علی الفلاح عند علمائنا الثلاثۃ وھو الصحیح (عالمگیری جلد ۱ ص ۳۵)	امام مسجد میں موجود ہو تو مقتدی اور امام سب حی علی الفلاح کہنے پر کھڑے ہوں ہمارے تینوں علماء (امام ابوحنیفہ، امام ابویوسف امام محمد) کا یہی مذہب ہے اور یہی بات صحیح ہے کہ (ہمارے تینوں امام متفق ہیں)

---

[۱] بحر الرائق اور کنز کی شرح فتح المعین وغیرہ میں ان کان الامام بقرب المحراب کے الفاظ ہیں اور بدائع الصنائع میں ان کان الامام معھم فی المسجد کے الفاظ ہیں سب کا حاصل یہ ہے کہ امام مسجد میں یا محراب کے قریب میں ہو تو یہ حکم ہے لیکن محراب کے اندر مصلے پر موجود ہونے کی صورت کا یہ حکم نہیں ہے ۱۲ر

الفاظ کے معمولی اختلاف کے ساتھ تمام حنفی فقہ کی کتابوں میں یہی بات لکھی ہوئی ہے تفصیلی گفتگو اس صورت خاص کے متعلق آگے آ رہی ہے وہاں اس کی حقیقت معلوم ہوگی ابھی دوسری صورتوں کے سلسلہ میں امام ابوحنیفہ کا نقطۂ نظر پڑھئے۔

(۲) وان کان الامام دخل المسجد من قدامهم یقومون کما رأو الامام ولا یقومون مالم یدخل المسجد (عالمگیری جلد ا ص۵۳)	اگر امام آگے سے مسجد میں داخل ہو تو امام کو دیکھتے ہی سب لوگ کھڑے ہو جائیں لیکن جب تک مسجد میں داخل نہ ہو کھڑے نہ ہوں۔

یعنی امام اقامت شروع ہونے کے وقت مسجد سے باہر تھا اب مسجد میں صفوں کے آگے کی طرف سے داخل ہوا تو اس حالت میں تمام مقتدی بیک وقت امام کو دیکھتے ہی کھڑے ہو جائیں۔

۳۔ مگر امام مسجد میں صفوں کے آگے سے داخل نہ ہو بلکہ پچھلی صف یا درمیان کی کسی صف کی طرف سے آئے تو ایسی صورت میں کیا کرنا چاہئے فرماتے ہیں۔

فاما اذا کان الامام خارج المسجد فان دخل من قبل الصفوف فکلما جاوز صفا قام ذلک الصف	لیکن جب امام مسجد سے باہر ہو تو اگر صفوں کی طرف سے داخل ہوتا ہے تو جس جس صف کے پاس سے گذرے اس صف والے کھڑے

والیہ مال شمس الائمۃ السرخسی وشیخ الاسلام خواھرزادہ - (عالمگیری ج ۱ ص ۳۵)

ہوتے جائیں امام سرخسی اور شیخ الاسلام خواہرزادہ کا بھی یہی خیال ہے ۔

ان تمام صورتوں میں اس طرح کھڑے ہونے میں کیا حکمت ہے یہ بھی سنئے علامہ کاسانی حنفی رحمۃ اللہ علیہ اپنی بے نظیر کتاب بدائع الصنائع میں تحریر فرماتے ہیں ۔

لان القیام لاجل الصلوٰۃ ولا یمکن اداءھا بدون الامام فلم یکن القیام مفیدا ثم ان دخل الامام من قدام الصفوف فکمارآوہ قاموا لانہ کما دخل قام مقام الامامۃ وان دخل من وراء الصفوف فالصحیح انہ کلما جاوز صفا قام ذلک الصف لانہ صار بحال لو اقتدوا بہ جاز فصار فی حقھم کانہ اخذ مکانہ ۔

(بدائع الصنائع جلد اول ص ۲۰۰)

اس لئے کہ قیام نماز ادا کرنے کی غرض سے ہوتا ہے اور نماز کا ادا کرنا امام کے بغیر ممکن نہیں لہذا امام کی غیر حاضری میں قیام بے فائدہ ہوگا اب امام اگر صفوں کے آگے سے مسجد میں آتا ہے تو اسکو دیکھتے ہی لوگ کھڑے ہو جائیں کیونکہ اس صورت میں داخل ہوتے ہی گویا وہ اپنی امامت کی جگہ پر آگیا اور اگر امام صفوں کے پیچھے کی طرف سے داخل ہو تو جس صف سے گذرے وہ کھڑی ہو جائے اسلئے کہ اس صف کے حق میں امام اس پوزیشن میں ہے کہ اگر یہ اسکی اقتداء کریں تو جائز ہوگی پس گویا کہ انکے لئے امام اپنی جگہ پر آگیا۔

علامہ کاسانی کے اس بیان سے مندرجہ ذیل باتیں واضح ہوتی ہیں۔

۱۔ امام جب مسجد سے غیر حاضر ہے تو کھڑا ہونا بے فائدہ اور ممنوع ہوگا اسی بات کو عالمگیری میں اس طرح لکھا گیا ہے ولایقومون مالم یدخل المسجد جب تک امام مسجد میں داخل نہ ہوجائے لوگ کھڑے نہ ہوں۔

۲۔ علامہ کاسانی کی تحریر سے معلوم ہوا کہ اگر صف کے آگے امام موجود ہے تو اس کو دیکھتے ہی کھڑے ہوجانے میں شرعی اور عقلی کسی طرح کی کوئی قباحت نہیں ہے البتہ پہلے سے ہی امام مسجد میں موجود تھا یا محراب کے قریب تھا تو ایسی صورت میں حی علی الفلاح پر کھڑا ہونا بہتر ہے۔ جیسا کہ عالمگیری کے حوالہ سے گذر چکا ہے اس کی وجہ فقہاء کرام یہ بتاتے ہیں:

والقیام حین قیل حی علی الفلاح لانہ امر بہ یستحب المسارعۃ الیہ (بحر الرائق ج ۱ ص ۲۳۱)	حی علی الفلاح پر کھڑا ہونا افضل اسلئے ہے کہ حی علی الفلاح کے جملہ میں اسکا حکم ہے پس اس حکم کی تعمیل کے لئے اب بلا تاخیر کھڑا ہونا چاہیئے۔

اسی طرح قاضی ثناء اللہ پانی پتی فرماتے ہیں

ونزد حی علی الصلوٰۃ امام برخیزد	حی علی الصلوٰۃ کے وقت امام کھڑا ہوجائے

(مالابد منہ ص ۴۴)

اس کی وجہ مالابد منہ کے حاشیہ میں اسی جگہ یہ بتائی گئی ہے۔

امام برخیزد و مقتدیان نیز زیرا کہ حی علی الصلوٰۃ امر ست بجا آوردہ شود (حاشیہ مالابد منہ صـ۴۴)

امام اور مقتدی بھی کھڑے ہوجائیں اسلئے کہ حی علی الصلوٰۃ (آؤ نماز کیلئے) حکم ہے پس کھڑے ہوکر اس کی تعمیل کی جائے گی۔

فقہائے احناف کی ان عبارتوں کے سمجھنے میں چونکہ عام طور سے پڑھے لکھے لوگ بھی غلط فہمی کا شکار ہوجاتے ہیں اس لئے تھوڑی تفصیل سے اس سلسلہ میں کلام کرنا ضروری ہے۔

(الف) سب سے پہلی بات یہ ذہن نشین کرنے کی ہے کہ اس جگہ دو مسئلے الگ الگ ہیں ایک مسئلہ یہ ہے کہ بہتر یا مستحب وقت کھڑے ہونے کا کیا ہے۔ دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ اس مستحب وقت سے پہلے کھڑا ہونا ناجائز اور مکروہ ہے فقہائے کرام کی یہ تمام عبارتیں صرف پہلے مسئلہ کو بیان کرتی ہیں اس سے دوسرے مسئلہ کا کوئی تعلق نہیں ہے اس لئے کہ انھیں فقہائے کرام نے اپنی جگہ یہ بنیادی اور اصولی قاعدہ بھی بتا دیا ہے کہ کسی مستحب کو ترک کردینے سے کراہت کا ارتکاب نہیں ہوجاتا ہے کراہت کے لئے علیحدہ دلیل چاہئے فقط مستحب کا چھوڑنا اس کے لئے کافی نہیں ہے علامہ ابن عابدین شامی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں،

وبہا یظہر ان کون ترک المستحب راجعا الی خلاف

اسی سے واضح ہوگیا کہ مستحب کا ترک خلاف اولیٰ ہونے سے اس کا

الاولیٰ لایلزم منه ان یکون مکروھا لان الکراھة حکم شرعی فلابد له من دلیل (شامی ج ۲ ص ۲۵۳)	مکروہ ہونا لازم نہیں آتا ہے اس لئے کہ کراہت ایک شرعی حکم ہے جس کیلئے کسی دلیل کا ہونا ضروری ہے

بلکہ علامہ شامی بحر الرائق کے حوالے سے اس کی تائید میں مزید تحریر فرماتے ہیں۔

لکن صرح فی البحر فی صلوٰۃ العید عند مسألۃ الاکل بانه لایلزم من ترک المستحب ثبوت الکراھة اذلابد لھا من دلیل خاص واشار الی ذلک فی تحریر الاصول بان خلاف الاولیٰ مالیس فیه صیغة النھی کترک صلوٰۃ الضحیٰ بخلاف المکروہ تنزیھا. (شامی جلد اول ص ۲۵۳)	لیکن صاحب بحر الرائق نے بقر عید کی نماز کے تحت کھانے کے مسئلہ میں گفتگو کرتے وقت تصریح کی ہے کہ مستحب کے ترک کرنے سے کراہت لازم نہیں آتی ہے اسلئے کہ کراہت کیلئے ایک مستقل دلیل کا ہونا ضروری ہے اور اسی حقیقت کی طرف تحریر الاصول میں اشارہ ہے کہ خلاف اولیٰ وہ امر ہے جس کیلئے نہی وارد نہ ہو جیسے چاشت کی نماز کا ترک کرنا بخلاف مکروہ تنزیہی کے اسلئے کہ مکروہ تنزیہی میں نہی کا موجود ہونا ضروری ہے۔

علامہ ابن عابدین علامہ ابن نجیم اور صاحب تحریر الاصول ان سب کی تصریح سے معلوم ہوا کہ حی علی الفلاح سے پہلے کھڑا ہونا مکروہ تنزیہی بھی نہیں ہے۔

ج) دوسرا بنیادی نقطہ اس موقع پر یہ بھی سامنے رہنا ضروری ہے کہ مستحب وقت کی آخری حد یعنی اس کا آخری وقت ان عبارتوں میں حی علی الفلاح کو بتایا گیا ہے نہ کہ وقت مستحب کی ابتدا اس کو مقرر کیا گیا ہے یعنی اگر کوئی شخص مستحب وقت پر کھڑا ہونا چاہتا ہے اور بیٹھا وظیفہ پڑھ رہا ہے یا تلاوت میں مشغول ہے اور اقامت شروع ہوچکی ہے تو حی علی الفلاح پر کھڑا ہو جائے ورنہ اس کے بعد کھڑا ہوگا تو مستحب وقت ختم ہو جائے گا۔ حی علی الفلاح سے پہلے کھڑا ہونا بھی مستحب ہی ہے لیکن یہ اس کی آخری حد ہے فقہائے کرام کی ان عبارتوں کا یہی مطلب ہے چنانچہ علامہ طحطاوی فرماتے ہیں۔

والظاهر انه احتراز عن التاخير لا التقديم حتى لو قام اول الاقامة لا باس به (طحطاوی علی الدر المختار ج ا ص ۲۱۳)	بالکل ظاہر ہے کہ حی علی الفلاح کی تحدید مزید تاخیر کرنے سے پرہیز کرنے کے واسطے ہے پہلے کھڑے ہونے سے روکنے کیلئے نہیں ہے بعد ا شروع اقامت سے کھڑے ہو جانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

لہ بعض حضرات لاباس کے کلمہ میں بے وجہ قیل و قال کرتے ہیں حالانکہ یہ کلمہ کبھی ایسے امر پر بھی بولا جاتا ہے جس کا کرنا مستحب ہے علامہ ابن عابدین شامی فرماتے ہیں۔ کلمة لاباس قد تستعمل فی المندوب کما فی البحر من الجنائز والجهاد ومنه هذا الموضع شامی جلد اول ص ۶۲۱ ایک دوسرے موقع پر فرماتے ہیں دفن کرنے کے بعد

باقی اگلے صفحہ پر

(د) فقہائے احناف کی کسی معتبر کتاب میں حی علی الفلاح پر کھڑے ہونے کی شرعی دلیل کوئی روایت یا حدیث نہیں بتائی گئی ہے بلکہ صرف ایک عقلی دلیل یا حکمت یہ بیان کی گئی ہے کہ حی علی الفلاح کے معنی ہی نماز کیلئے کھڑے ہونے کا حکم ہے لہذا تعمیل حکم کے لئے کھڑے ہونا چاہیے، یہ علت خود اس بات کو واضح کرتی ہے کہ اس کے پہلے بیٹھے رہنے کا نہ کوئی حکم ہے نہ اس کی کوئی معقول وجہ ہے۔ بلکہ حی علی الفلاح سے پہلے کھڑا ہو جانے والا تعمیل کے لئے پہلے سے آمادہ ہے تو اس کا یہ عمل مکروہ اور غلط کیوں ہوگا۔

(س) فقہائے کرام کی اس عبارت کا یہ مطلب نہیں ہے کہ حی علی الفلاح سے پہلے لوگ بیٹھے بیٹھے اقامت سنتے رہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ لوگ اس کے پہلے اگر کھڑے بھی ہوں تو چونکہ وہ نماز کے لئے اپنی اپنی جگہ صفوں میں لے کر نہیں کھڑے ہیں بلکہ بے ترتیب یا منتشر طور پر کھڑے

قبر پر پانی چھڑکنا امام ابو یوسف کے نزدیک مکروہ ہے لیکن دوسرے لوگوں نے اس فعل کو لاباس کہا ہے پھر فرماتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صاحبزادہ ابراہیم کی قبر پر پانی چھڑکا ہے جس کا ثبوت حدیث سے فراہم ہو جاتا ہے لہذا کراہت تو بڑی بات ہے اس فعل کا مندوب ہونا ثابت ہوا۔ شامی جلد اول صفحہ ۶۶۱ معلوم ہوا کہ علماء جس امر کو لاباس کہتے ہیں اگر حدیث سے اس کا ثبوت ہو جائے تو وہ امر مستحب بھی ہو سکتا ہے۔ یہاں حی علی الفلاح سے پہلے کھڑے ہونے کے مسئلہ میں معاملہ یہی ہے ۔

ہوں گے لہذا اب حی علی الفلاح کے ذریعہ نماز کا حکم بھی ہو گیا ہے اب
بلا تاخیر تعمیل کے لئے صفوں میں اپنی اپنی جگہ پر نماز کے لئے کھڑے ہو جائیں
فقہائے کرام کی درج ذیل عبارتوں پر غور کرنے سے یہ امر روشن ہو جاتا
ہے مطلق کھڑے ہونے کو وہ نہیں بتانا چاہتے ہیں بلکہ حی علی الفلاح
سے پہلے بھی لوگ کھڑے ہوں جب بھی حی علی الفلاح پر صف میں
اپنی اپنی جگہ پر کھڑے ہو جائیں تاکہ بلا تاخیر تعمیل حکم کر کے نماز
شروع کیجائے۔ علامہ قہستانی۔

یقوم حین قال المؤذن حی علی الصلوٰۃ۔	امام کھڑا ہو جائے اس وقت جبکہ موذن حی علی الصلوٰۃ کہے

کا مطلب جامع الرموز میں بیان فرماتے ہیں۔

وفی الاصل وغیرہ الاحب ان یقوموا فی الصف اذا قال المؤذن (جامع الرموز)	کتاب الاصل (یعنی مبسوط) وغیرہ میں ہے کہ زیادہ بہتر ہے کہ لوگ صف میں اس وقت کھڑے ہوں جب موذن حی علی الصلوٰۃ کہے۔

اسی طرح بدائع الصنائع میں ہے۔

یستحب للقوم ان یقوموا فی الصف۔	مقتدی لوگوں کے لئے مستحب ہے کہ صف میں کھڑے ہو جائیں۔

موطا امام محمد میں ہے۔

ینبغی للقوم اذا قال المؤذن	مناسب ہے مقتدیوں کے لئے کہ

حی علی الفلاح ان یقوموا الی الصلوٰۃ فیصفوا ویسووا الصفوف۔

جب موذن حی علی الفلاح کہے تو وہ نماز کے لئے کھڑے ہو کر صف میں آجائیں اور صفیں درست کر لیں۔

عمدۃ القاری میں ہے۔

وقال ابو حنیفۃ و محمد یقومون فی الصف اذا قال حی علی الصلوٰۃ۔

امام ابو حنیفہ اور امام محمد کا ارشاد ہے کہ لوگ صف میں اس وقت کھڑے ہوں جب موذن حی علی الصلوٰۃ کہے۔

ان تمام عبارتوں میں صرف کھڑے ہونے کا حکم نہیں ہے بلکہ صف میں کھڑے ہونے اور نماز کے لئے کھڑے ہونے کا حکم ہے جس سے صاف ظاہر ہے کہ پہلے سے صرف کھڑا ہو جانا اس کے خلاف نہیں ہے۔ اسی لئے یقومون فی الصف اور یقوموا الی الصلوٰۃ کے الفاظ ان عبارتوں میں بڑھائے گئے ہیں۔

ایک ضروری تنبیہ بعض پڑھے لکھے لوگ علامہ طحطاوی کی اس عبارت سے یہ ثابت کرتے ہیں کہ حی علی الفلاح سے پہلے کھڑے ہونے کو صاف طریقہ پر مکروہ بتایا گیا ہے۔

اذا دخل الرجل عند الاقامۃ یکرہ لہ الانتظار قائما ولکن یقعد ثم یقوم اذا بلغ الموذن قولہ حی علی الفلاح

اگر کوئی مسجد میں اس وقت داخل ہو جب اقامت ہو رہی ہو تو کھڑے ہو کر انتظار کرنا اس کے لئے مکروہ ہے بلکہ بیٹھ جائے

كذا فی المضمرات (طحطاوی	اور جب مؤذن حی علی الصلوٰۃ
علی مراقی الفلاح مطبوعہ دمشق	کہے تب کھڑا ہو۔
ص۱۵۱ عالمگیری ج ۱ ص۲۹ شامی۔	

جامع الرموز)

طحطاوی نے مزید یہ بھی لکھا ہے۔

ویفہم منہ کراھۃ القیام	اس عبارت سے یہ مفہوم نکلتا ہے کہ
ابتداء الاقامۃ والناس	شروع اقامت سے کھڑا ہونا مکروہ
عنہ غافلون	ہے لیکن لوگ اس سے بے خبر ہیں۔

(طحطاوی علی مراقی الفلاح ص۱۵۱)

دوسری جگہ بھی طحطاوی نے لکھا ہے۔

وربما یواخذ منہ کراھۃ	بسا اوقات اس عبارت سے یہ
تقدیم الوقوف فی البحث	اخذ کیا جاتا ہے کہ مسئلہ سابق میں
السابق۔ (طحطاوی علی الدر المختار)	پہلے سے کھڑے رہنا مکروہ ہے۔

۱۔ یہ بات آگے چل کر اچھی طرح سمجھ میں آئے گی کہ علامہ طحطاوی اور اس عبارت کے ناقلین سے چند در چند اس موقع پر غلطیاں ہوئی ہیں لیکن اتنا تو خود علامہ طحطاوی نے بھی بتا دیا ہے والناس عنہ غافلون جس کا مطلب یہ ہے کہ خود موصوف کے زمانہ تک بھی حی علی الفلاح پر کھڑے ہونے کا رواج نہ تھا نیز یفہم اور یواخذ سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس فہم کو اپنی طرف منسوب کرتے ہوئے

بھی ڈر رہے ہیں۔ بلکہ انھوں نے یہ بھی اقرار کر لیا ہے کہ شروع اقامت سے کھڑے ہونے میں قطعی کوئی مضائقہ نہیں جیسا کہ حوالہ گذر چکا ہے

۲۔ مذکورہ بالا عبارت میں خود بھی صراحت کے ساتھ موجود ہے کہ بیٹھنے کا حکم اور کھڑے ہونے میں کراہت صرف اس آدمی کے لئے ہے جو اقامت کے وقت مسجد میں داخل ہوا ہو، جو شخص پہلے سے مسجد میں موجود ہو اس کے لئے یہ حکم نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ "دخل الرجل" کی قید مذکورہ عبارت میں تمام فقہاء نے لگا رکھی ہے۔ اور یہ بات قرین قیاس بھی ہے، اس لئے کہ جو شخص مسجد میں پہلے سے موجود نہیں ہے۔ اور اقامت شروع ہو جانے کے بعد مسجد میں داخل ہوا ہے، وہ امام کی حالت سے ناواقف ہے۔ اس لئے عین ممکن ہے کہ امام نماز پڑھانے کی پوزیشن میں نہ ہو اور آنے والا ناواقفیت کی وجہ سے کھڑا رہے گا تو بے وجہ امام کے انتظار میں کھڑا رہنا لازم آئے گا۔ جو ایک مکروہ عمل ہے۔

۴۔ اس عبارت میں بیٹھنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اور کھڑے ہونے کو مکروہ لکھا گیا ہے۔ جو صرف اس حالت کے لئے خاص ہے جب کہ امام مسجد کے اندر موجود نہ ہو یا مسجد کے اندر موجود تو ہو لیکن ایسی حالت میں ہو کہ اس پر غیر موجود ہونے کا حکم لگ سکتا ہو۔ یہی وجہ ہے کہ مذکورہ بالا عبارت میں امام کا کوئی تذکرہ نہیں ہے۔ ہماری اس تشریح کی دلیل یہ ہے کہ فقہ کی دوسری کتابوں میں قیام کے مکروہ ہونے

کی صورت صرف وہی بتائی گئی ہے۔ جب امام مسجد سے غائب ہو۔

تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق جلد ۱ ص ۱۰۹ پر ہے

وان لم یکن الامام حاضرا	اور اگر امام مسجد میں موجود نہ ہو تو
لا یقومون حتی یصل الیھم	مقتدی لوگ اس وقت کھڑے نہ
ویقف مکانہا ۔	ہوں جب تک کہ امام اپنی جگہ کھڑا نہ ہو جائے۔

فتاوی عالمگیری میں خزانۃ الفقہ کے حوالے سے لکھا ہے۔

ویکرہ	اور مکروہ ہے ....
قیام القوم الی الصف عند	مقتدیوں کا صف میں کھڑا ہونا
الاقامۃ والامام غائب	اس صورت میں جب کہ امام مسجد
(عالمگیری ج ۱ ص ۵۷)	میں موجود نہ ہو۔

عالمگیری کی اس عبارت میں والامام غائب کی قید اس بات کی واضح دلیل ہے کہ مقتدیوں کے کھڑے ہونے کا مکروہ ہونا صرف اسی صورت کے لئے خاص ہے جب امام مسجد سے غائب ہو۔

۴۔ اقامت کے وقت مسجد میں داخل ہونے والا بیٹھ جائے یہ بات درست ہے لیکن پھر کھڑا کب ہو تو طحطاوی اور عالمگیری کی عبارت میں اس کے لئے ۔ حی علی الفلاح ؕ کی قید لگا دی گئی ہے۔ حالانکہ فقہ کی دوسری معتبر اور مستند کتابوں میں کھڑے ہونے کا وقت امام کا اپنی جگہ پر آجانا اور نماز کو شروع کر دینا بتایا گیا ہے۔ اور وہی صحیح بھی معلوم ہوتا ہے۔ چنانچہ فتاوی بزازیہ میں ہے:

دخل المسجد وهو يقيم يقعد ولا يقف قائمًا إلى وقت الشروع (فتاوى بزازيه على هامش الهنديه ج ۴ ص۲۵)	ایسی حالت میں کوئی مسجد میں داخل ہوا کہ مؤذن اقامت کہہ رہا ہے تو آنے والا بیٹھ جائے اور امام کے نماز شروع کرنے کے وقت تک کھڑا نہ ہو۔
اسی طرح در مختار میں ہے۔	
دخل المسجد والمؤذن يقيم قعد إلى قيام الإمام في مصلاه (در مختار ج ا ص ۶۵)	کوئی مسجد میں داخل ہوا اس وقت جب کہ مؤذن اقامت کہہ رہا ہو تو آنیوالا شخص بیٹھا رہے امام کے اپنے مصلیٰ پر کھڑے ہونے تک۔

دیکھیے فتاویٰ بزازیہ اور در مختار کی عبارتوں نے فیصلہ کر دیا کہ بیٹھنے کا حکم اور کھڑے ہونے کی ممانعت آنے والے شخص کے لئے اس بنیاد پر نہیں ہے کہ "حی علی الفلاح" سے پہلے کھڑے ہونے میں کوئی کراہت ہے۔ بلکہ اس کا تعلق امام کی حالت سے ہے۔ اسلئے یہ بات اچھی طرح واضح ہوجاتی ہے کہ طحطاوی اور عالمگیری کی عبارت میں ناقلین کی غلطی سے نقص آگیا ہے اور مسئلہ کو حی علی الفلاح کے مسئلہ سے بے وجہ جوڑ دیا گیا ہے جب کہ اس مسئلہ کا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ جیسا کہ ہم آگے چل کر دلائل سے اسکو ثابت کریں گے۔

۵ - "حی علی الفلاح" سے پہلے کھڑا ہونا مکروہ ہے اور بیٹھنا مسنون یہ جب ہی ہو سکتا ہے کہ فقہاء کرام کی عبارتوں سے

یہ مطلب نکالا جائے کہ خاص کلمہ "حی علی الفلاح" پر کھڑا ہونا فقہاء کرام کی مراد ہو حالانکہ خود فقہائے کرام نے پوری وضاحت کے ساتھ یہ تحریر فرمایا ہے کہ خاص "حی علی الصلوٰۃ" یا "حی علی الفلاح" کے کلمہ پر کھڑا ہونا ہماری مراد نہیں ہے۔ بلکہ اس کلمہ سے کچھ پہلے ہی کھڑا ہو جانا ہماری مراد ہے۔ پھر یہ کہ بعض فقہاء نے "حی علی الفلاح" کے بجائے حی علی الصلوٰۃ سے بھی پہلے کھڑے ہونے کی اجازت دی ہے۔

چنانچہ علامہ عبداللہ داماد آفندی مجمع الانہر میں تحریر فرماتے ہیں۔

وفی الوقایہ ویقوم الامام والقوم عند حی علی الصلوٰۃ ای قبیلہ۔ (مجمع الانہر ص۸۲)	وقایہ میں ہے امام اور مقتدی حی علی الصلوٰۃ پر کھڑے ہوں مطلب یہ ہے کہ اس سے کچھ پہلے کھڑے ہوں۔

اسی طرح علامہ شمس الدین قہستانی بھی تحریر فرماتے ہیں۔

یقوم الامام والقوم عند حی علی الصلوٰۃ ای قُبَیْلہ (جامع الرموز ج۱ ص۵۷)	امام اور مقتدی حی علی الصلوٰۃ پر کھڑے ہوں یعنی کچھ پہلے ہی کھڑے ہوں۔

فقہاء کرام کا حی علی الصلوٰۃ سے بھی کچھ پہلے کھڑے ہونے کی اجازت دینا اس بات کی دلیل ہے کہ حی علی الفلاح سے پہلے کھڑا ہونا ہرگز مکروہ نہیں ہے۔ کیونکہ حی علی الصلوٰۃ سے کچھ پہلے اقامت میں

صرف تین ہی کلمات رہ جاتے ہیں اور ان تین کلمات کے کہنے میں جو وقت لگتا ہے وہ اتنا ہی وقت ہے جس کو حی علی الصلوٰۃ سے کچھ پہلے سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ اس لئے شروع اقامت سے کھڑا ہونا حی علی الفلاح پر کھڑے ہونے کے مخالف نہیں ہے۔ جیسا کہ خود فقہا کی تشریح سے ثابت ہو چکا ہے۔

۶:۔ جن جن کتابوں میں مسجد میں داخل ہونے والے کے لئے قیام کو مکروہ اور بیٹھنے کو مسنون لکھا گیا ہے۔ ان تمام کتابوں کا ماخذ مضمرات ہے جیسا کہ فتاویٰ عالمگیری اور طحطاوی میں اس موقع پر مضمرات کا حوالہ دیکر اس بات کو واضح کر دیا گیا ہے۔ لہذا مضمرات کی اصل عبارت ناظرین کے سامنے آ جانے کے بعد ناقلین کی غلطی اچھی طرح سمجھ میں آ جائے گی۔ علامہ قہستانی نے مضمرات کی پوری عبارت اس طرح نقل کی ہے۔ صاحب مضمرات فرماتے ہیں۔

و ذکر فی المنیۃ أنہ اذا اقام والامام لم یصل رکعتی الفجر لا یجب الاعادۃ بعد ادائہ و فی الکلام ایماء خفی إلیٰ انہ لو دخل احد عند الاقامۃ یقعد لکراھۃ القیام والانتظار کما	منیہ میں لکھا ہے کہ اگر اقامت کہدی جائے اور امام نے سنت فجر نہیں پڑھی تھی تو امام کے دو رکعت سنت ادا کر لینے کے بعد اقامت کا اعادہ ضروری نہیں ہے۔ اس مسئلہ میں اس بات کا ایک اشارہ پایا جاتا ہے کہ اگر کوئی شخص اقامت

فی المضمرات -

(جامع الرموز ج ۱ ص۵۸)

کے وقت مسجد میں داخل ہو تو اسکو بیٹھ جانا چاہیئے اسلئے کہ کھڑے ہوکر انتظار کرنا مکروہ ہے۔

مضمرات کی پوری عبارت آپ کے سامنے ہے غور فرمائیے کہ اس میں حی علی الفلاح کا کہیں تذکرہ تک نہیں ہے۔ لیکن نہ معلوم مضمرات کے حوالہ سے ہی نقل کرنے والوں نے کس طرح اس مسئلہ کو حی علی الفلاح سے جوڑ دیا ہے۔ جب کہ قرائن اور دلائل بھی قطعاً اس سے انکار کرتے ہیں اس لئے کہ مسئلہ یہ ہے کہ جب امام نے فجر کی دو رکعت سنت نہیں پڑھی تھی اور اقامت کہدی گئی تو امام کی سنت ادا کرنے کے بعد جب اقامت دوبارہ کہی نہ جائے گی اور اس کا اعادہ نہیں ہوگا جیسا کہ مضمرات کی عبارت میں تصریح کر دی گئی ہے۔ تو اب حی علی الفلاح کا یہ کون سا موقع ہے اور اقامت کے اعادہ نہ ہونے کی صورت میں حی علی الفلاح سے مسئلہ کا جوڑ کیونکر ہوسکتا ہے، صاحب مضمرات نے منیہ کی عبارت سے جس باریک اشارہ کی بنیاد پر یہ لکھا ہے۔ وہ اشارہ اور خود صاحب مضمرات نے "لکراھۃ القیام والانتظار" کے ذریعہ مسجد میں اقامت کے وقت داخل ہونے والے شخص کے بیٹھ جانے کی علت امام کے لئے کھڑے کھڑے انتظار کرنے کی کراہت کو قرار دیا ہے۔ نہ کہ حی علی الفلاح سے پہلے کھڑے ہونے کی کراہت کو۔

اصل مسئلہ یہ ہے کہ امام نے دو رکعت سنت فجر کی نہیں پڑھی تھی اور اقامت ہوگئی تو امام کے لئے سنت پڑھنے کی اجازت ہے

اور اس کے سنت پڑھنے کے بعد دوبارہ اقامت کہنے کی حاجت نہیں ہے۔ اس سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ جب تک امام دو رکعت سنت کی ادائیگی میں مشغول رہے گا اقامت ہو چکی تھی اب مقتدی امام کے سنت سے فارغ ہونے کا انتظار کھڑے کریں یا بیٹھ جائیں۔ چونکہ امام اس حالت میں اگرچہ مسجد کے اندر موجود ہے لیکن اس پر موجود ہونے کا حکم نہیں لگ سکتا کیونکہ وہ جب تک سنت کی ادائیگی میں مشغول ہے امامت کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہے۔ لہذا ایسی صورت میں کھڑے کھڑے امام کا انتظار کرنا اسی طرح مکروہ ہوگا۔ جیسے امام مسجد سے غائب ہوتا اور لوگ کھڑے ہو کر اس کا انتظار کرتے منیہ میں مذکور مسئلہ سے باریک اشارہ اس بات کا نکل آیا کہ اگر کوئی شخص اقامت ہوتے وقت مسجد میں داخل ہو تو جب تک امام کی پوزیشن اس کے علم میں نہ آجائے یا امام خود مصلے پر کھڑے ہو کر نماز شروع نہ کردے آنے والے شخص کو بیٹھے رہنا چاہیئے اسلئے کہ اگر آنے والا کھڑا ہو جائے اور امام کا انتظار کرنا پڑ جائے تو یہ امام کا انتظار کھڑے ہو کر کرنا مکروہ عمل ہے۔

اس تشریح کے بغیر منیہ کی عبارت سے صاحب مضمرات کا باریک اشارہ اخذ کرنا درست نہیں ہو سکتا جیسا کہ اہل علم پر یہ بات روشن ہے۔

یہیں سے یہ حقیقت بھی بے غبار ہو کر سامنے آجاتی ہے کہ مضمرات

کی عبارت میں جس مسئلہ کا تذکرہ ہے اس کا تعلق اقامت کے کلمۂ خاص "حی علی الفلاح" سے بالکل نہیں ہے بلکہ اس کا تعلق امام کی حالت سے ہے۔ اسی لئے کراہت کی صورت کو خاص اقامت کے وقت مسجد میں داخل ہونے والے کے لئے لکھا گیا ہے۔ پہلے سے مسجد میں موجود رہنے والے کے حق میں یہ کراہت نہیں لکھی گئی ہے۔ کیوں کہ وہ تو امام کی حالت سے واقف ہیں۔ ان کو امام کی حالت سے کوئی دھوکا نہیں ہو سکتا ہے، لیکن آنے والا چونکہ امام کی حالت سے واقف نہیں ہے ممکن ہے کہ وہ امام کو امامت کے لئے آمادہ سمجھ کر کھڑا ہو جائے اور امام امامت کرنے کی پوزیشن میں نہ ہو مثلاً امام سنت فجر کے لئے کھڑا ہو تو آنے والے کو بے وجہ امام کے انتظار میں کھڑا رہنا پڑیگا جو مکروہ عمل ہے۔ اس لئے فقہاء نے لکھا کہ آنے والا بیٹھ جائے۔

ان حقائق کے سامنے آجانے کے بعد علامہ طحطاوی اور فتاویٰ عالمگیری حاشیہ شرح وقایہ اور فتاویٰ شامی کی عبارت کا نقص یا اس کے ناقلین کی چوک خود بخود واضح ہو جاتی ہے بالخصوص جب کہ اس کے خلاف فتاویٰ بزازیہ اور در مختار کی تصریحات بھی موجود ہیں لہٰذا علامہ طحطاوی کے فہم میں ان کی ایسی ہی غفلت کو دخل ہے والناس عنہ غافلون نہیں بلکہ خود وہ غفلت کا شکار ہوئے ہیں۔

امام مہدی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق ایک بصیرت افروز نقد بیش کی امام مالک سے تشریح

قیامت کے قریب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول اور امام مہدی کے خروج سے متعلق متواتر حدیثوں میں تذکرہ موجود ہے اور یہ بھی بطور عقیدہ معلوم ہے کہ یہ دونوں اس زمانہ میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کا ہی اتباع فرمائیں گے ابن ماجہ کی روایت میں تصریح ہے کہ فجر کی نماز کیلئے اقامت ہو رہی ہوگی کہ اسی درمیان عیسیٰ علیہ السلام کا نزول ہوگا انھیں احادیث کی روشنی میں امام مالکؒ نے فرمایا ہے :

وفی العتبیۃ قال مالک بینا	عتبیہ میں امام مالک کا قول ہے کہ دریں
الناس قیام یستمعون لاقامۃ	اثنا کہ لوگ کھڑے ہوئے نماز کی
الصلوٰۃ فتغشاھم غمامۃ	تکبیر سنتے ہوں گے بادل ان کو گھیر لیگا
فاذا عیسیٰ قد نزل ۔	اور اچانک عیسیٰ علیہ السلام
(عبارۃ الابی فی شرح مسلم ج ۱ ص ۲۶۶)	نازل ہو جائیں گے ۔

پس امام مالکؒ کی اس وضاحت سے بھی معلوم ہوا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امام مہدی اور عیسیٰ علیہ السلام سب کا عمل یہی ہے کہ تکبیر کے وقت نمازی شروع سے ہی کھڑے ہو جائیں گے ۔

---

[۱] ملا ابو عبد اللہ محمد بن خلفہ الوشتانی الابی متوفی ۸۲۷ھ کی شرح مسلم اکمال اکمال المعلم ج ۱ ص ۲۶۶ پر مذکورہ عبارت عتبیہ سے نقل کیگئی ہے اور عتبیہ امام عبد العزیز اندلسی قرطبی متوفی ۲۵۴ھ کی تصنیف ہے دیکھئے کشف الظنون ج ۲ ص ۱۰۶ – ۱۰۷ ۔

امام ابوحنیفہ رح کا حقیقت افروز بیان

حضرت مولانا مفتی محمود الحسن صاحب گنگوہی مدظلہ العالی فرماتے ہیں:

امام محمدؒ کی کتاب الصلوٰۃ[1] میں ہے کہ انھوں نے امام ابوحنیفہؒ سے دریافت کیا کہ ایک شخص نماز کیلئے اس وقت کھڑا ہوتا ہے جب مکبر حی علی الفلاح کہتا ہے تو امام صاحب نے فرمایا لاحرج پھر دریافت کیا کہ ایک شخص شروع اقامت سے ہی کھڑا ہوجاتا ہے تب بھی یہی ارشاد فرمایا لاحرج الخ ملفوظات فقیہ الامت حصہ ا صـ۲۳

امام ابوحنیفہ علیہ الرحمہ کے ارشاد سے بھی معلوم ہوا کہ کھڑے ہونے کا مستحب وقت شروع اقامت ہے اور آخری وقت علی الفلاح ہے اور یہ بھی واضح ہوگیا کہ شروع اقامت سے کھڑا ہونا امام ابوحنیفہ کے نزدیک مکروہ نہیں ہے۔

---

[1] ملفوظات فقیہ الامت کے مرتب سے میں نے حوالہ کے متعلق سوال کیا تو انھوں نے یہ جواب تحریر فرمایا۔

بندہ نے حضرت اقدس دامت برکاتہم سے دریافت کیا تو حضرت نے فرمایا کہ مطبوعہ کتاب ہو تو حوالہ لکھا جائے یہ قلمی نسخہ ہے جس میں مسائل اسی طریق پر جمع فرمائے ہیں کہ میں نے امام صاحبؒ سے پوچھا انھوں نے یہ جواب دیا۔ اسی میں حضرت نے دیکھا تھا کتبخانہ آصفیہ حیدرآباد میں حضرت نے بتایا نیز حضرت مفتی مہدی حسن رح کے پاس بھی دیکھنا بتلایا۔

العبد مسعود احمد خادم مدرسہ باغونوالی مظفرنگر

۶ ذوقعدہ ۱۴۰۹ھ

نماز کے بعد صلوٰۃ وسلام کا مسئلہ

درود وسلام پڑھنا ایک عبادت ہے اور بہت عمدہ عمل ہے۔ شریعت نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود اور سلام پڑھنے کی ترغیب دی ہے۔ قرآن مقدس میں اس نیک کام کا بڑے اہتمام کے ساتھ حکم فرمایا گیا ہے اس کام کے عمدہ اور مفید ہونے میں ادنیٰ شبہ کی گنجائش نہیں ہے لیکن جس طرح شریعت کا حکم ہے اور جس جس موقع پر پڑھنے کی اجازت ہے صرف وہاں پڑھنا عبادت ہے اور جہاں جہاں پڑھنے کا ثبوت نہیں ہے وہاں دین سمجھ کر پڑھنا نہ صرف یہ کہ عبادت نہیں بلکہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ناراضگی کا اندیشہ ہے دین میں کسی چیز کے عبادت اور نیکی بننے کیلئے پہلی شرط یہ ہے کہ وہ چیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قول فعل اور شریعت سے ثابت ہے یا نہیں اگر اس کا ثبوت نہیں ہے تو وہ چیز دیکھنے میں کتنا ہی عمدہ نفع بخش اور ثواب کی چیز کیوں نہ نظر آتی ہو قطعاً وہ دین اور عبادت نہیں بن سکتی درود وسلام پڑھنا بہت اچھی عبادت ہے لیکن کسی بھی خاص نماز مثلاً نماز جمعہ یا نماز فجر یا مغرب یا عصر کے بعد تمام لوگ اکٹھے ہو کر اجتماعی طور پر بلند آواز سے پڑھیں یہ طریقہ نہ صرف ناجائز ہے بلکہ دین میں خطرناک قسم کی تحریف اور خدا و رسول کی سخت ناراضگی کا سبب ہے اسلئے کہ یہ نمازیں جناب سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے خلفائے راشدین

دیگر صحابۂ کرام تابعین عظام اور ائمہ دین امام مالک امام ابوحنیفہ، امام شافعی امام احمد بن حنبل علیہ الرحمۃ والرضوان پھر اکابر اولیاء اللہ شیخ عبدالقادر جیلانی خواجہ اجمیری شیخ بہاءالدین نقشبندی شیخ شہاب الدین سہروردی وغیرہم کے زمانے سے ہیں اور ہزاروں سیکڑوں عاشقان رسول علماء امت سب کے سب اونچے درجہ کے صاحب تقویٰ اور عبادت کے شوقین تھے اور سبھی ان نمازوں کو اہتمام اور جماعت سے پڑھتے تھے لیکن اسلام کی تاریخ میں کبھی کسی نے بھول کر بھی ایک مرتبہ کسی نماز کے بعد اس طرح جمع ہوکر اپنی عشق ومحبت کا مظاہرہ کرنے کے لئے سلام ودرود نہیں پڑھا اگر یہ بھی کوئی کرنے کا کام ہوتا تو سب کے سب نہ اتنے بد ذوق تھے اور نہ بے علم کسی کو اتنی بڑی ثواب کی چیز معلوم ہی نہ ہوتی ضرور کوئی نہ کوئی یہ کام کرتا اور غور کرنے کی بات ہے کہ ہر نماز کے اندر تحیات میں سلام اس کے بعد درود پڑھا ہی جاتا ہے جماعت کے ساتھ نماز کے اندر ابھی ابھی سلام ودرود پڑھا گیا ہے پھر باہر سے پیوند لگانے کی کیا ضرورت ہے یہ وہ عمل ہے کہ جس کے بدعت ہونے اور انتہا درجہ قابل نفرت ہونے کی تصریح خود صحابۂ کرام سے ثابت ہے اور فقہائے احناف نے پوری قوت وصراحت کے ساتھ اس کا غلط ہونا بیان فرمایا ہے فتاویٰ قاضی خاں حموی شرح الاشباہ والنظائر فتاویٰ شامی وغیرہ حنفی فقہ کی معتبر اور نہایت مستند کتابوں میں لکھا ہے کہ یہ عمل بدعت ہے اور اس سے پرہیز کرنا ضروری ہے۔ چنانچہ فتاویٰ قاضی خاں کے حوالہ سے مذکورہ بالا تمام کتابوں میں یہ روایت

اس بدعت کے غلط ہونے کی دلیل کے طور پر لکھی ہے ۔

وقد صح عن ابن مسعود انہ سمع قوما اجتمعوا فی مسجد یہللون ویصلون علیہ الصلوٰۃ والسلام جہرا فراح الیہم وقال ما عہدنا ذلک علی عہدہ علیہ الصلوٰۃ والسلام وما اراکم الا مبتدعین فما زال یذکر ذلک حتی اخرجہم من المسجد ۔

(شامی ج ۵ ص ۲ فتاوی بزازیہ برحاشیہ عالمگیری ج ۶ ص ۳۷ مسند دارمی ص ۳۸ مجالس الابرار ص ۱۲۳ حموی وغیرہ وغیرہ)

بروایت صحیح حضرت عبد اللہ بن مسعود کے متعلق ثابت ہے کہ انھوں نے ایک جماعت کے متعلق سنا کہ وہ لوگ مسجد میں اجتماعی طور پر لا الٰہ الا اللہ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پاک زور زور سے پڑھتے ہیں اسلئے ابن مسعود ان کے پاس گئے اور فرمایا صحابہ نے یہ عمل رسول اللہ کے زمانہ میں نہیں پایا ہے لہذا میں تمہیں بدعتی سمجھتا ہوں یہی کہتے رہے حتی کہ ان کو مسجد سے نکال کر دم لیا ۔

دیکھئے سنت کی بہار اور شریعت کی پابندی کا ایک وہ زمانہ تھا کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم جیسے سچے پکے عاشقان رسول اور ان کی جماعت کے ممتاز اور مایہ ناز صحابی حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے نماز کے بعد بلند آواز سے مسجد میں اجتماعی درود وسلام پڑھنے والوں کو مسجد سے نکالدیا اور بار بار انھیں بدعتی کہہ کر اپنی بیزاری اور نفرت کا اظہار و اعلان فرمایا اور انقلاب زمانہ اور جہالت و بے علمی کی کرشمہ سازی

دیکھئے کہ آج اس عمل کو بدعت اور غلط بتانے والوں کو مسجد سے نکال دیا جاتا ہے اور ان کو بدعقیدہ وہابی وغیرہ وغیرہ کہہ کر ان کے خلاف نفرت کا ماحول بنایا جاتا ہے معلوم نہیں کہ یہ بے علم شریعت وسنت سے ناواقف مکّار عاشقان رسول حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو وہابی بدعقیدہ سمجھتے ہیں یا سنی یا ان حضرات کو بدعت کی محبت نے اس قدر اندھا کر دیا ہے کہ ایسی کھلی اور صاف باتیں بھی کتابوں میں نظر نہیں آتی ہیں۔

اس روایت پر غور فرمائیے کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے درود وسلام کو غلط یا قابل ترک عمل بتایا یا درود وسلام کو اچھی چیز سمجھنے کے باوجود اس خاص موقع پر اور خاص طریقہ پر پڑھنے کو بدعت قرار دیا اور بدعت قرار دینے کی وجہ کیا بتائی کہ ہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بات نہیں پائی ہے لہذا یہ دین نہیں بن سکتی ہے اور نہ اس میں ثواب مل سکتا ہے اس لئے کہ کسی عمل کے لائق ثواب اور دین ہونے کی پہلی شرط ہی اس میں موجود نہیں ہے یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ثبوت نہیں ہے اس واقعہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کوئی عمل کتنا ہی اچھا اور بذاتِ خود شریعت سے مطلوب ہی کیوں نہ ہو لیکن اس کو کسی خاص طور پر کرنا یا کسی خاص موقع پر کرنا بے محل اور بے موقع ہونے کی وجہ سے غلط اور بدعت بنا دیتا ہے۔

یہ چنانچہ روایت ہے۔

عن نافع ان رجلا عطس الی جنب ابن عمر رض فقال الحمد للہ والسلام علی رسول اللہ قال ابن عمر رض وانا اقول الحمد للہ والسلام علی رسول اللہ ولیس ھکذا علمنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علمنا ان نقول الحمد للہ علی کل حال۔ (ترمذی ج ۲ ص ۹۸ (مشکوٰۃ ص ۴۰۶)

حضرت نافع فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے سامنے ایک شخص کو چھینک آ ئی اس نے پڑھا الحمد للہ والسلام علی رسول اللہ اس پر ابن عمر نے فرمایا الحمد للہ (اور) والسلام علی رسول اللہ (اپنی اپنی جگہ پر) میں بھی پڑھتا ہوں لیکن اس موقع پر اس طرح پڑھنے کی تعلیم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں دی اس موقع پر پڑھنے کیلئے حضورؐ نے بتایا ہے الحمد للہ علی کل حال۔

والسلام علی رسول اللہ کتنا خوبصورت اور شریعت کی نگاہ میں کس قدر پسندیدہ جملہ ہے لیکن خاص اس موقع پر چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھنے کی تعلیم نہیں دی اس لئے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اس موقع پر پڑھنے والے کو منع فرمایا اور بتایا کہ یہ جملہ اگرچہ اپنے مفہوم کے لحاظ سے بالکل درست ہے آنحضرت پر سلام بھیجنے کا یہ عمل مجھے بھی پسند ہے اور اپنے موقع پر میں بھی پڑھتا ہوں لیکن یہ اس موقع کی چیز نہیں ہے بے موقع اور بے محل اس کا اضافہ دین میں تحریف اور اضافہ کا سبب ہے اس طرح شریعت کا روشن چہرہ

رفتہ رفتہ بگڑ جائے گا اس لئے اس خاص موقع پر مت پڑھا کرو۔
غور کرنے کی بات ہے اگر ہر بزرگ یا عالم یا مسلمان کو درود وسلام پڑھنے کی ایک جماعت لیکر اس طرح چھوٹ دیدی جائے تو کوئی صاحب اذان کے بعد پسند فرماکر دس آدمی کے ساتھ درود وسلام پڑھنا شروع فرمادیں گے جس کو یہ موقع پسند نہ ہوگا یا اس وقت فرصت نہ ہوگی وہ سنت اور فرض کے درمیان جماعت سے پہلے چار آدمی کے ساتھ کھڑا ہوجائے گا اور اپنے عشق و محبت کا مظاہرہ درود وسلام کے نعروں کے ذریعہ شروع کر دے گا کسی کو سمجھ میں آئے گا مسجد میں داخل ہوتے ہی سب سے پہلے عشق و عقیدت کا نذرانہ پیش کرلو اس کے بعد ہی کوئی نماز پڑھی جائے گی وہ دس آدمی کے ساتھ مسجد میں داخل ہوتے درود وسلام کی آواز بلند کر دے گا۔ کیا ہر ایک کو اس طرح پڑھنے کی اجازت دی جاسکتی ہے اگر نہیں تو کیوں جس وجہ سے ہر ایک کو اس کی پسند کے مطابق کرنے کی اجازت نہیں ہے اس طرح آپ کو بھی اس بات کی چھوٹ نہیں ہے پہلی امت کے افراد نے اسی طرح آہستہ آہستہ اپنے دین کا حلیہ بگاڑا تھا اور قسم قسم کے من پسند اضافے کرلئے گئے تھے۔
بعض لوگ جنہیں دین کا گہرا علم نہیں ہوتا اپنی سادگی کی وجہ سے کہہ دیتے ہیں آخر اس میں کیا حرج ہے اچھا ہی کام تو ہے کوئی گناہ کی بات تو نہیں ہے —— ان سے دریافت کیجئے عید اور بقرعید کی نماز کے لئے دور دور سے مسلمان جمع ہوتے ہیں بڑے اہتمام سے شریک ہوکر

جماعت سے نماز ادا کرتے ہیں اگر اس موقع پر اذان کے ذریعہ عید اور بقر عید کی نماز کا اعلان کر دیا جائے تو اذان کوئی بری چیز تو نہیں ہے اچھی ہی چیز ہے اور خود شریعت نے اس کو پسند بھی فرمایا ہے لہٰذا عید اور بقر عید کی نماز کے لئے بھی اس کا اضافہ کر دینے میں کیا حرج ہے اسی طرح عید و بقر عید کے خطبہ بھی جمعہ کے ہی خطبہ کے مانند ہیں لہٰذا جمعہ کے خطبہ کے وقت اذان دیدی جاتی ہے تاکہ لوگ متوجہ ہو کر خطبہ سننے میں مصروف ہو جائیں اگر اسی طرح عید و بقر عید کے خطبہ سے پہلے اذان دیدی جائے تو کیا حرج ہے پانچ وقت نماز با جماعت کے لئے اقامت پڑھی جاتی ہے اگر عید اور بقر عید کی نماز جماعت کے لئے اقامت پڑھی جائے تو کیا حرج ہے محمد رسول اللہ کا جملہ اپنے معنی کے لحاظ سے نہ صرف عمدہ اور پسندیدہ ہے بلکہ ہر مسلمان کے عقیدہ کا جزو ہے اور ایمان کی علامت ہے اگر موذن اذان کے آخر میں لا الہ الا اللہ جیسے آدھے کلمہ پر اذان نہ ختم کر کے آگے محمد رسول اللہ بڑھا دے تاکہ کلمہ بھی پورا ہو جائے اور عقیدہ کا بھی اعلان ہو جائے تو اس اضافہ کر دینے میں کیا حرج ہے۔ فرمائیے کیا ان اضافوں کو بدعت اور دین میں تحریف نہ کہا جائے گا اگر کہا جائے گا تو کیوں جس منطق سے ان چیزوں کے کرنے کی چھوٹ نہیں ہے اسی منطق سے درود و سلام کسی بھی جماعت کی نماز کے بعد بلند آواز سے اجتماعی طور پر پڑھنے کی چھوٹ نہیں دی جا سکتی ہے اور بلاشبہ یہ عمل نفرت و بیزاری کے لائق ہے درود و سلام سے بھی

ضروری اور عمدہ عمل اگر بے موقع اور بے ثبوت کیا جائے گا تو اس میں بھی گناہ کا اندیشہ اور خدا اور رسول کی ناراضگی کا خطرہ ہے نماز کس قدر عمدہ اور بہترین عبادت ہے لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ ایک شخص عید گاہ میں عید کے دن عید کی نماز سے پہلے پڑھ رہا ہے اسکو سختی سے منع فرمایا اس نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا کیا اللہ تعالیٰ نماز پڑھنے پر عذاب دینگے میں جانتا ہوں کہ خداوند تعالیٰ نماز پڑھنے کی وجہ سے عذاب دینگے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں بھی جانتا ہوں اللہ تعالیٰ کسی اچھے سے اچھے کام پر ثواب نہیں دیں گے جب تک کہ اس کا ثبوت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نہ ہو اگر حضور سے اس عمل کا ثبوت نہ ہوگا تو وہ عبث ہوگا اور ممکن ہے فعل عبث کے ارتکاب پر اللہ تعالیٰ عذاب دے۔ (مجالس الابرار مجلس ۱۷ص ۱۲۹)

ایک شخص کو عصر کی نماز کے بعد دو رکعت پڑھتے ہوئے حضرت سعید بن مسیب نے دیکھا تو سختی سے منع فرمایا اس پر وہ شخص بول اٹھا۔

یا ابا محمد ایعذبنی الله علی الصلوٰۃ	اے ابن مسیب کیا خدا مجھے نماز پڑھنے پر عذاب دے گا۔

سعید بن مسیب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا :

لکن یعذبك لخلاف السنۃ (مسند داری)	لیکن سنت کے خلاف ہونے کی وجہ سے سزا دے گا۔

غور کیجئے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے مغرب کی نماز کے بعد تسبیح و تہلیل اور درود و سلام اجتماعی طور پر بلند آواز سے

پڑھنے والوں کو کیوں رد کیا اور مسجد سے نکال دیا حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے والسلام علی رسول اللہ پڑھنے والے کو کیوں منع فرمایا حضرت علی اور حضرت سعید بن مسیب نے نماز پڑھنے سے کیوں منع فرمایا سب نے علت یہی بتائی کہ اس موقع پر اس کام کے کرنے کا ثبوت حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں ہے لہذا یہ عمل اپنی جگہ عبادت اور نفع بخش ہونے کے باوجود غلط اور بے ثواب ہی رہے گا بلکہ گناہ کا اندیشہ ہے اس لئے شرعی ثبوت کے بغیر کسی عمل کو دین میں داخل نہیں کیا جا سکتا ہے نماز کے بعد درود وسلام کا بلند آواز سے اجتماعی طور پر پڑھنے کا ثبوت نہ قرآن و حدیث میں ہے نہ فقہ حنفی میں نہ کسی معتبر ولی اور مستند عالم کے عمل سے پوری اسلامی تاریخ میں ہزاروں سال تک کہیں اس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا ہے نہ معلوم کس مصلحت سے آج اس کو دین بنا کر مسجدوں میں داخل کر کے اہلسنت کی علامت قرار دیدیا گیا ہے جب کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس کو بدعت فرما کر مسجد سے باہر کر دیا تھا۔ افسوس کہ مسلمان دین کا علم ہی نہیں رکھتا ہے ورنہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی سنت پر عمل کرنے کی اس زمانے میں زیادہ ضرورت تھی۔

اللهم انا نسألك من خير ما سألك منه نبيك محمد صلى الله عليه وسلم ونعوذ بك من شر ما استعاذك منه نبيك محمد صلى الله عليه وسلم۔

سید طاہر حسین گیاوی

اقوالِ زرّیں

(۱) عقیدۂ توحید ایمان کی بنیادی حقیقت ہے۔

(۲) عقیدۂ رسالت کے بغیر ایمان قابل اعتبار نہیں۔

(۳) تعظیم رسالت کی پہچان سنت کی پیروی ہے۔

(۴) اہل سنت وہی لوگ ہیں جو رسم و رواج سے پرہیز اور بدعات سے گریز کرتے ہیں۔

(۵) اگر کامیابی چاہتے ہو تو اپنی موت اور آخرت کا منظر ہر وقت یاد رکھو۔

(۶) شریعت کے خلاف عمل کرنے والا انبیاء اور اولیاء کی عقیدت و محبت کے دعوے میں جھوٹا ہے۔

(۷) مسلمانوں میں پھوٹ اور اختلاف ڈالنے والا کسی بزرگ کا مرید نہیں بلکہ شیطان کا مرید ہے۔

(۸) بدعت جاری کرنا دین کی بربادی کا موجب ہے اور بدعتی کی تعظیم کرنا اسلام کو گرانے کا باعث ہے۔ (مجدد الف ثانی)

(۹) جھوٹ بولنا اور دھوکے بازی کے دھندے کرنا مومن کی شان کے خلاف ہے۔

(۱۰) کلمۂ توحید کلمہ کی علامت ہے یعنی جس طرح سارے مسلمانوں کا کلمہ ایک ہے اسی طرح سارے کلمہ گو مسلمان بھی آپس میں ایک ہیں۔

مؤلف کی دیگر تصانیف

① احسن التنقیح الرکعات التراویح۔
② بریلویت کا شیش محل۔
③ انگشت بوسی سے بائبل بوسی تک۔
④ عصمت انبیاء اور مولانا مودودی۔
⑤ اعجاز قرآنی۔
⑥ مقتدی پر فاتحہ واجب نہیں۔

ناشر

مولانا محمد زاہد حلیمی قاسمی استاذ دارالعلوم حسینیہ

ڈنڈیلہ کلاں۔ پوسٹ۔ رہلا، ضلع۔ پلاموں (بہار)

فون: 87232، کوڈ: 06584

اجالا پریس، پیلی کوٹھی، وارانسی